یا اللہ مدد | عقیدہ حیات النبی ﷺ زندہ باد | شان رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شان صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ باد | مقام امام اعظم ابو حنیفہ زندہ باد | حق چار یار رضی اللہ عنہم

اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر

بفیضان
مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم
حضرت مولانا **قاضی مظہر حسین** نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد
محدث عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرت مولانا
محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید: شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

مفسر قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی **عبد الحمید خان سواتی** نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرت مولانا مفتی **عبد الشکور ترمذی** نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا **خواجہ خان محمد** نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا **عبد اللطیف جہلمی** نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرت مولانا **محمد یوسف لدھیانوی شہید** نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرت مولانا **محمد امین صفدر اوکاڑوی** نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلک احناف، شیخ الحدیث حضرت مولانا **محمد حنیف** نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلک دیوبند مولانا **نور محمد تونسوی** نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا علامہ **علی شیر حیدری شہید** نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرت مولانا **سعید احمد جلالپوری شہید** نور اللہ مرقدہ

بدعا: وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث
حضرت مولانا **حبیب الرحمٰن سومرو** صاحب مدظلہ

نگران
وکیل احناف مناظر اسلام
حضرت مولانا مفتی **محمد انور اوکاڑوی** صاحب مدظلہ

مدیر اعلیٰ
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی
0301-7790908

مدیر مسئول
مولانا احسن خدامی
0320 4902150

مدیر
حمزہ احسانی
0307-5687800

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82، محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

مولانا زاہد الراشدی اور عمار خان ناصر......تازہ صورتِ حال

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب الشریعہ اور عمار خان کے غامدی نظریات سے مبینہ ''اعلانِ براءت'' اور ''علیحدگی'' کے بعد......ایک انٹرویو میں عمار خان کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سوال: آپ کے صاحبزادے عمار خان ناصر بھی کیا اِسی (غامدی) فکر سے تعلق رکھتے ہیں؟ (رانا آصف)

جواب: نہیں، اِس معاملے میں اُس کا اصولی موقف وہی ہے جو میرا ہے۔ یعنی دینی فکر کو اخذ کرنے کے اُصول تبدیل نہیں ہوسکتے۔ (مولانا راشدی) [روزنامہ دنیا، سنڈے میگزین، ۱۷/جولائی ۲۰۱۶ء]

یہاں مولانا راشدی نے حسب عادت عمار خان کے تمام گمراہ کن اَفکار اور غامدی کی تقلید میں اپنائے گئے باطل نظریات کو نظر انداز کرتے ہوئے محض ایک بات پر تبصرہ کرکے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن عمار خان کی تازہ تحریر نے مولانا راشدی کی یہ کوشش بھی ناکام بنادی ہے۔ عمار خان کی تحریر پڑھیے! ماہنامہ الشریعہ کے تازہ شمارے میں ''فرقہ وارانہ مذہبی بیانیوں پر مختصر تبصرہ'' کے تحت لکھتے ہیں:

بیانیہ: مودودیت ایک گمراہ فرقہ ہے۔/غامدی صاحب ایک فتنہ ہیں اور اسلام کی تعلیمات کو بگاڑ رہے ہیں۔

تبصرہ: مولانا مودودی اور غامدی صاحب نے دین کو براہ راست اصل مآخذ سے سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں مروجہ دینی تعبیرات سے کئی جگہ اہم اور بنیادی اختلاف بھی کیا ہے۔ ان کی پیش کردہ دینی فکر اور مذہبی تعبیرات میں قابل نقد اور کمزور باتیں بھی ہوسکتی ہیں جن پر علمی نقد لازماً ہونا چاہیے، لیکن بحیثیت مجموعی ان کی دینی فکر کو فتنہ یا گمراہی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ [الشریعہ، اکتوبر ۲۰۱۶ء، ص:۷]

پیامِ صفدر

مولانا راشدی کا اعلانِ براءت......صدرِ وفاق کا جوابی مکتوب

عم مکرم حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کی الشریعہ سے علیحدگی کے متعلق تحریرات کی اشاعت کے بعد صدرِ وفاق حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم نے اِس حوالے سے ''ادارہ صفدر'' کی رائے دریافت کی، جو زبانی عرض کی گئی اور بعد ازاں تحریری صورت میں بھی اِرسال کی گئی، ملاحظہ ہو!

بخدمت حضرت الشیخ مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم العالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ رب العزت آنجناب سمیت جملہ اکابر اہل سنت کا سایہ تا دیر صحت و عافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

آنجناب کی طرف سے عم محترم مولانا زاہد الراشدی مدظلہم کی حالیہ تحریرات اور اُن کے عملی نتائج سے متعلق اِدارہ ''صفدر'' کی رائے دریافت کی گئی، جواباً چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

فتنہ غامدیت کی روک تھام، غامدی و عمار خان کے غلط اَفکار کی تردید اور عم محترم حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہم کے اَحوال کی اِصلاح کے حوالے سے آنجناب کی فکرمندی، کاوشیں، کوششیں اور اقدامات آپ ہی کا خاصہ ہیں۔ اللہ رب العزت آنجناب کو اپنے شایانِ شان اجرِ عظیم سے نوازیں۔ آمین۔

لیکن آنجناب کی کاوشوں کی ناقدری کرتے ہوئے مولانا زاہد الراشدی مدظلہم نے جو طرزِ عمل اختیار کیا اور اکابر سمیت دینی و مذہبی طبقات کو مغالطہ دیا ہے، وہ بھی اُنہی کا خاصہ ہے۔ اکابر وفاق نے حسنِ ظن کی بنا پر مولانا راشدی مدظلہم کی مختلف تحریرات ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں شائع کی ہیں، جس سے ملک بھر کے علماء و طلبہ اور دیندار طبقہ نے یہ سمجھ لیا ہے (اور وفاق کے اِعلان پر سمجھنا ہی چاہیے تھا) کہ مولانا راشدی نے ماہنامہ ''الشریعہ''، عمار خان اور خلافِ جمہور نظریات و آراء سے براءت اور علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ حالانکہ یہ خلافِ واقعہ ہے۔ درحقیقت مولانا راشدی مدظلہم نے سب کو راضی رکھنے کی کوشش کی ہے

☆......ایک طرف اکابر اور مذہبی طبقات کو مطمئن کرنے کے لیے اکابر کی مشاورت سے مرتب کردہ تحریر پر دستخط کر کے صدرِ وفاق کو بھیج دی۔ اور ''الشریعہ'' کی پالیسی کے حوالے سے بزرگوں کے تحفظات کا لحاظ رکھنے کا وعدہ بھی کر لیا۔ جس پر سب بزرگوں نے اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا۔

☆......دوسری طرف اپنے فرزند من پسند عمار خان کو راضی رکھنے کے لیے ماہنامہ ''الشریعہ'' میں وہ تحریر نقل کرنے کے بعد چند جملے (علمی صلاحیت، تحقیقی ذوق اور دینی صلابت پر مکمل اعتماد کے نام سے) عمار خان کی حوصلہ افزائی میں بھی لکھ دیئے۔ (حالانکہ عمار خان اور دینی صلابت دو متضاد چیزیں ہیں۔)

☆......اور تیسری طرف ''الشریعۃ'' کی پالیسی کی تائید کرتے ہوئے اُس کے اہداف، دائرہ کار اور معیار کو ''مزید بہتر انداز'' میں آگے بڑھانے کی امید ظاہر کی۔ نیز مولانا راشدی مدظلہم کا نام بھی ''الشریعۃ'' میں بطورِ ''مؤسس'' موجود ہے۔ اور اُن کے مضامین بھی تسلسل سے ''الشریعۃ'' میں شائع ہو رہے ہیں۔

اِس معاملے میں چونکہ مولانا زاہدالراشدی مدظلہم نے مغالطہ انگیزی سے کام لیا ہے۔ جبکہ ''وفاق المدارس'' کے اِعلان کی وجہ سے ملک بھر کے مذہبی طبقات اُن کے حوالے سے مطمئن ہو چکے ہیں۔ اِس لیے اَب انتہائی ضروری ہے کہ ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں ہی یہ اِعلان بھی کر دیا جائے کہ:

''مولانا زاہدالراشدی مدظلہم نے اکابر وفاق کو مغالطہ دیتے ہوئے دوہری چال چلی ہے اور ماہنامہ ''الشریعۃ'' کی پالیسی اور عمار خان کی حوصلہ اَفزائی پر ہی بات ختم کی ہے۔ اِس لیے اَکابر وفاق کو اُن کے حوالے سے تحفظات اور اِشکالات بدستور باقی ہیں، بلکہ پہلے سے زیادہ سنگین نوعیت اختیار کر چکے ہیں۔ لہٰذا اُن سے بائیکاٹ کی اَپیل والا فیصلہ برقرار ہے۔''

بعض علماء کی طرف سے اِس بات کا اِظہار بھی کیا جا رہا ہے کہ ''وفاق المدارس العربیۃ'' کی قیادت کو ملکی اجتماع، ممکنہ تحریک اور حکومت کے خلاف احتجاج کے لیے مولانا زاہدالراشدی مدظلہم کی ''ضرورت'' ہے، اِس لیے صدرِ وفاق کو خاموش اور خالص مسلکی فکر و سوچ رکھنے والے حلقوں کا منہ بند رکھنے کی خاطر بعض منتظمین وفاق کی طرف سے چل چلاؤ پالیسی سے کام چلایا جا رہا ہے۔

اور یہ سچ ہے کہ مولانا راشدی مدظلہم کے اِس طرزِ عمل کے بعد بھی اگر وفاق کے بعض منتظمین (جو غالبًا پہلے ہی مولانا راشدی مدظلہم کے ہم نوا ہیں) مولانا راشدی مدظلہم کو ''وفاق'' میں قبول کر لیتے ہیں تو اکابر وفاق کے راشدی صاحب سے اختلاف کو ''نظریاتی اختلاف'' قرار دینا مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ راشدی صاحب مدظلہم کے اَفکار، خیالات اور آراء حتی کہ الشریعہ کی تائید اور عمار خان کی حوصلہ افزائی وغیرہ میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

اُمید ہے اِس پہلو پر خصوصی توجہ فرمائیں گے۔

عریضے میں اگر خلافِ ادب بات، انداز یا اُسلوب پایا جاتا ہو تو تہ دل سے اُس کی معافی چاہتا ہوں۔ تعمیلِ حکم میں صرف حقائق سے آگاہی مقصود ہے۔ والسلام......دعاؤں اور شفقتوں کا محتاج

خادم اہل سنت حمزہ احسانی......۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ......۲۸ر فروری ۲۰۱۶ء......بروز اتوار

صدرِ وفاق مدظلہم کا جوابی مکتوب:

مکرمی زید مجدکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا تفصیلی مکتوب ملا۔ آپ نے ماہنامہ ''الشریعۃ'' کے حوالے سے مولانا زاہدالراشدی کی

علیحدگی کو محض ایک خانہ پری قرار دیا ہے۔ بہت ہی غور وفکر کے بعد آپ کی رائے میں وزن معلوم ہوتا ہے۔ بات ذرا تفصیل طلب ہے اس لیے نکات وار بیان کیا جاتا ہے۔

(۱)......روزِ اول ہی سے احقر کی منشا یہ تھی کہ مولانا زاہدالراشدی اپنے صاحبزادے عمار خان ناصر کے افکار ونظریات سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے اُنھیں ماہنامہ ''الشریعہ'' کی ادارت سے علیحدہ کرنے کا اعلان کریں۔اس پر احقر کی اب تک کی تحریرو مکاتبت گواہ ہے۔

(۲)......مولانا زاہدالراشدی نے چونکہ خود یہ فرمادیا تھا کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا حنیف جالندھری اور مولانا مفتی کفایت اللہ مل کر اگر کوئی تحریر میرے لیے لکھ دیں تو مجھے اس کو مان لینے میں کوئی تأمل نہ ہوگا۔ مولانا تقی عثمانی کے اسفار کی کثرت اور ہجوم اشغال سے تو سب آگاہ ہیں۔ یہ تو مولانا کفایت اللہ کی جہد وسعی سے اتنا کام بھی ہوگیا ورنہ یہ کام کئی ماہ میں بھی ممکن نہ تھا۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے نہ جانے کیوں اس تحریر میں مولانا زاہدالراشدی کے الشریعہ سے علیحدہ ہوجانے اور الشریعہ کے جمے جمائے پلیٹ فارم اور مستقل قارئین کو عمار خان ناصر کے حوالے کردینے کو گوارا کرلیا، حالاں کہ اس سے قبل مولانا تقی عثمانی خود عمار خان ناصر کے نام اپنے ایک مکتوب میں انھیں الشریعہ سے علیحدہ ہوجانے اور اپنے لیے ایک نیا پلیٹ فارم منتخب کرنے کا مشورہ دے چکے تھے۔۔۔۔احقر کے پاس جب مولانا تقی عثمانی صاحب کی تحریر پہنچی تو اس میں تأمل کے باوجود اسی کو غنیمت جانتے ہوئے خاموشی اختیار کرلی کہ چلو کچھ تو ہوا۔ احقر کا خیال تھا کہ مولانا راشدی معاملے کی نزاکت کو سمجھیں گے۔ اور آئندہ اپنے غیر محتاط طرزِ عمل سے گریز کریں گے۔

(۳)...... مولانا راشدی کے الشریعہ سے علیحدگی کے اعلان والے شمارے میں مولانا کے قلم سے اپنے صاحبزادے کے حق میں ان کی دینی صلابت پر اعتماد اور علمی حوصلہ افزائی کے جملے پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ تمام علماء جنھیں عمار خان ناصر کی تحریرات جمہور اہل سنت کے خلاف اور گمراہ کن معلوم ہوتی ہیں وہ سب علم وتحقیق سے عاری اور ناآشنا ہیں؟

(۴)......مولانا راشدی نے وعدہ فرمایا تھا کہ: ''بزرگوں'' نے عمار خان ناصر کی جن عبارات پر گرفت فرمائی ہے، مولانا ان کا جائزہ لیں گے (اس رویے سے اگرچہ ملک بھر کے علماء کے احتجاج پر عدم اعتماد مترشح ہوتا ہے۔) اور پھر عمار ناصر صاحب کے آراء وافکار سے علی الاعلان برأت کا اعلان فرمائیں گے۔'' چھ مہینے میں مولانا راشدی یہ اہم کام نہیں کرسکے۔ علماء کے مطابق جس سے ان کے صاحبزادے کی ''گمراہی'' وابستہ ہے ان کا جائزہ لینے کا مولانا موصوف کے پاس وقت نہیں ہے۔ اس سے خود یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا راشدی کی نظر میں بھی یہ معاملات کچھ زیادہ اہم نہیں ہیں۔۔۔۔مولانا راشدی کے اظہار برأت سے شاید صاحبزادے موصوف کو شرم آتی اور وہ اپنی سابقہ رائے پر غور کرکے رجوع کرلیتے کہ اب تو مشفق

باپ بھی مجھ سے علیحدہ ہوگیا ہے۔

(۵)...... خانہ پری کی بات اس لیے واضح طور محسوس ہوتی ہے کہ اب تو الشریعہ کی مجلس ادارت مکمل متجددین کو سونپ دی گئی ہے لہٰذا اب متجددین کو یہ حق حاصل ہوگیا ہے کہ وہ جو چاہیں لکھیں، چونکہ ''اکابر'' کا حکم مان لیا گیا ہے، لہٰذا اکابر کو کچھ کہنے کا اختیار نہ ہوگا۔

رہے مولانا راشدی، تو ان کا نام بطورِ مؤسس الشریعہ کے صفحات کی ''زینت'' بنا ہوا ہے جو عوامی حلقوں میں بہر حال ایک طرح کے اعتماد کی فضا پیدا کرتا ہے۔ وہ بس اداریہ (کلمۃ الحق) نہیں لکھتے، لیکن وقتاً فوقتاً ان کے مضامین ضرور الشریعہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ علیحدگی خود ایک معمہ ہے۔

بہر حال اس سلسلے میں غور وفکر جاری ہے۔ احقر اب بھی مولانا راشدی سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر غور کریں گے اور نظر ثانی فرمائیں گے۔ متصلب بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھنے والے فرد کے لیے یہ طرز، تساہل اور مداہنت ہرگز روا نہیں۔ باقی مولانا راشدی وفاق المدارس کی کوئی مجبوری نہیں ہیں۔ نہ وفاق المدارس کے پاس مستعد اور فاضل علماء کی کمی ہے۔ آپ نے وفاق کے ان بعض افراد کے لیے جو فکری طور پر مولانا راشدی اور عمار ناصر کے ہم نوا ہیں صرف ''متنظمین'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جس سے وفاق میں موجود متجددین کی موجودگی کا پتہ نہیں چلتا۔ اگر واقعی وفاق میں ایسے افراد موجود ہیں جو ان نظریات کے باوصف مولانا راشدی کے ہم نوا ہیں تو انھیں چاہیے کہ ردائے تقیہ کو اتار کر صراحتاً مولانا راشدی اور ان کے صاحبزادے کی حمایت کا اعلان کریں۔ تاکہ وفاق کو بھی اپنے آئندہ کے لائحہ عمل طے کرنے میں آسانی ہو۔ خود آپ ہی وفاق میں موجود متجددِ متنظمین کی تمام شواہد اور دلائل کے ساتھ نشاندہی فرما دیجیے تو معاملہ واضح ہو جائے گا۔

یہاں تک تو اُصولی بات تھی۔۔۔۔ آپ مولانا زاہد الراشدی، عمار ناصر اور الشریعہ کی پالیسی پر جو کچھ کر رہے ہیں وہ بلاشبہ اہل حق کی ترجمانی ہے، لیکن مولانا راشدی کے روبرو آپ کا تحریری اسلوب اور تنقیدی رویہ قابل نظر ثانی ہے۔ آپ جب بھی کسی پر نقد وجرح کے لیے قلم اٹھائیں تو اولاً بارگاہِ الٰہی میں جوابدہی کا استحضار فرمالیں اور ثانیاً اِس سلسلے میں اپنے جد مکرم حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے طرز، انداز اور اسلوب کو معیار سمجھیں۔ مولانا زاہد الراشدی آپ کے تایا ہیں، بحمد اللہ مسلمان ہیں، عالم دین ہیں، آپ کے لیے مثل والد ہیں۔ آپ تنقید ضرور کریں لیکن اپنے تحریر اسلوب میں ان کے مقام اور اپنی حیثیت کے تفاوت کو ضرور ملحوظ رکھیں۔

والسلام......سلیم اللہ خان......خادم جامعہ فاروقیہ کراچی......صدر: وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۴ ررمضان المبارک ۱۴۳۷ھ......۱۰ رجون ۲۰۱۶ء

حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

عقل وخرد میں اپنی مثال آپ، ذہانت وذکاوت میں یگانۂ روزگار، فہم وفراست میں نابغۂ عصر، حزم واحتیاط میں ضرب المثل، حلم وتدبر میں نادرۂ زمانہ، اخلاص وتقویٰ میں قابلِ رشک، حیاء اور پاکدامنی میں لائق تقلید، جرأت وشجاعت سراپا، اتباعِ سنت کے جذبہ سے سرشار اور دربارِ رسالت کے چہیتے صحابی حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام نامی اور اسمِ گرامی سے کون واقف نہیں؟ ان کے تابناک کردار سے کون آگاہ نہیں، ان کے زریں کارنامے کس کی نگاہوں سے اوجھل ہیں؟ اور اس فاتح مصر کی مجاہدانہ سرگرمیاں کس پر پوشیدہ ہیں؟ آیئے اس جلیل القدر صحابی کے معطر تذکرہ سے ہم اپنے ایمان کو تازگی فراہم کرتے ہیں کہ بقول حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ: ''بزرگوں کے تذکرہ سے اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے''۔

حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قریشی ہیں، کعب بن لؤی پر آپؓ کا سلسلۂ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، آپ کی والدہ کا نام سلمیٰ اور کنیت نابغہ تھی، آپؓ کی کنیت ابوعبداللہ تھی، آپ عمر میں حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے ''مجھے وہ رات یاد ہے جس میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔'' آگے بڑھنے سے پہلے زبانِ رسالت سے ادا ہونے والا یہ ارشاد پڑھتے جائیں جس سے حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی عظمت وفضیلت پر بڑی روشنی پڑتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **''نعم أهل البيت عبد الله وأبو عبد الله و أم عبد الله''** ''بہترین گھرانہ رکھنے والے عبداللہ [بن عمرو بن العاص] اور عبداللہ کے والد [حضرت عمرو بن العاصؓ] اور عبداللہ کی والدہ ہیں'' [الاصابہ: ۱۳۴۱/۲] **سبحان اللہ** ! امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جس کے بہترین ہونے کی گواہی دیں کیا اس کے بعد بھی ان کے مقام کی عظمت ورفعت میں کوئی شک رہ سکتا ہے؟ اور کیا اب بھی ان کے کردار کی پاکیزگی اور ان کے صدق واخلاص میں شک کرنے کی کوئی مسلمان جسارت کرسکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، **فماذا بعد الحق الا الضلال.**

حضرت عمرو بن العاص نے ۸ رہجری میں فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا، حضرت سیدنا خالد بن ولید، حضرت سیدنا عثمان بن طلحہ اور حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اکٹھے مدینہ پہنچے اور ایک ساتھ

اسلام لائے، اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **قد رمتکم مکۃ بافلاذ کبدھا** ''آج مکہ نے اپنے جگر گوشے تمہاری گود میں ڈال دیئے ہیں۔'' [الاستیعاب: ۱۶۹/۲]

حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب بیعت اسلام کے لیے آگے بڑھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسلام قبول کرنے کی یہ شرط رکھی کہ میرے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' تب حضرت عمروؓ نے بیعت کی [اسد الغابہ: ۱۶/۲ ۷] حضرت عمروؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا احترام کرتے تھے کہ کبھی آپ کو آنکھ بھر نہیں دیکھا۔ [الاصابہ] حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ (حوالہ بالا) میں نقل کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت سیدنا عمرو بن العاصؓ سے پوچھا کہ آپ اتنے ذہین اور عقل مند تھے پھر آپ نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کیوں کی؟ حضرت عمروؓ نے فرمایا کہ ہم ایسے ماحول میں رہائش پذیر تھے جس میں سرداری ایسے لوگوں کے پاس تھی جن کی عقلوں پر پردہ پڑا ہوا تھا، جب وہ لوگ چلے گئے اور سرداری ہمارے سپرد ہوئی تو ہم نے غور وفکر کیا اور اسی نتیجہ پر پہنچے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی صداقت پر مبنی ہے چنانچہ ہم مسلمان ہو گئے۔

حضرت عمروؓ نے یہ بھی فرمایا کہ جب کفار مکہ نے محسوس کیا کہ اسلام کی دشمنی میں پہلے جس قدر میری دلچسپی اور سرگرمی تھی اب اس میں کمی آ گئی ہے تو کھٹکا لگا کہ شاید میں اسلام میں دلچسپی لینے لگا ہوں، چنانچہ انہوں نے اپنا ایک نوجوان میرے پاس بھیجا اور اس نے میرے ساتھ مناظرہ شروع کر دیا، میں نے اس سے پوچھا کہ یہ بتاؤ ہم زیادہ ہدایت والے راستہ پر ہیں یا روم وفارس والے؟ اس نے کہا: ''ہم'' میں نے کہا ''ہم زیادہ عیش وعشرت میں ہیں یا وہ؟'' اس نے کہا: ''روم وفارس والے'' میں نے کہا: ''پھر ہمیں ہماری فضیلت کا کیا فائدہ ہوا جبکہ وہ ہر اعتبار سے دنیا میں ہم سے بڑھے ہوئے ہیں۔ [الاصابہ: ۱۳۴/۲] مطلب یہ کہ عقل کا تقاضا ہے کہ ایسی زندگی ضرور ہونی چاہئے جس میں ہمارے مذہب کی برتری ہمیں نفع دے اور وہ آخرت ہے۔

حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ذہانت اور فصاحت دورِ جاہلیت میں بھی مسلّم تھیں۔ چنانچہ مسلمان جب کفار کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اور حبشہ کے نیک خصال بادشاہ حضرت سیدنا نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دے دی تو کفارِ مکہ کو مسلمانوں کا اس طرح پُرسکون رہنا برداشت نہ ہوا اور انہوں نے حضرت نجاشی شاہِ حبشہ کو مسلمانوں سے بدظن کرنے کے لئے جس ذہین ترین شخصیت کو سفیر اور وزیر خارجہ بنا کر بھیجا وہ حضرت عمرو بن العاص ہی تھے اور اس وقت انہوں نے شاہِ حبشہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لئے پوری چابکدستی سے کام لیا مگر حضرت سیدنا جعفر طیارؓ کی سحر انگیز اور مدلل گفتگو نے

بادشاہ کو بے حد متاثر کیا اور حضرت عمرو بن العاص ناکام لوٹے۔

حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب اسلام سے وابستگی اختیار کر لی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا قریبی بنالیا چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: **لما أسلم كان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقربه ویدنیه لمعرفته وشجاعته.** ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شجاعت اور معرفت و ذہانت کی بدولت انہیں بہت قریبی ساتھیوں کا درجہ دے رکھا تھا۔'' [الاصابہ صفحہ بالا] حضرت سیدنا عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ اپنے کپڑے اور سامان جنگ لے کر میرے پاس آؤ، میں تیاری کر کے حاضر ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ آپ کو امیرِ لشکر بنا کر جہاد کے لیے بھیجوں، اللہ تعالیٰ آپ کو فتح اور مالِ غنیمت سے نوازیں گے اور میں تمہیں مال دینا چاہتا ہوں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں مال و دولت کے لیے تو اسلام نہیں لایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **یا عمرو! نعما بالمال الصالح المرء الصالح** ''نیک آدمی کے لیے حلال مال بہت اچھا ہوتا ہے۔'' [مسند احمد: ۱۹۶/۴] حضرت عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر مدینہ منورہ میں خوف و ہراس پھیل گیا، لوگ ادھر ادھر بکھر گئے، میں نے مسجد نبوی میں حضرت سالمؓ کو دیکھا کہ وہ تلوار ساتھ لیے بیٹھے تھے، میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت خطاب کے دوران یہ بھی فرمایا: **الا فعلتم کما فعل هذان الرجلان المؤمنان؟** ''تم نے ایسے کیوں نہیں کیا جیسے ان دو مؤمن مردوں نے کیا۔ (مسند احمد، سنن نسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا عمرا بن العاصؓ کو عمان کا گورنر بنا کر بھیجا اور جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی اس وقت بھی حضرت عمروؓ عمان کے حاکم تھے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی آپ شام کی جنگی مہموں کے امیر کی حیثیت سے زریں کارنامے سرانجام دیتے رہے، فاتح مصر ہونے کا اعزاز بھی آپ کو ہی حاصل ہوا۔ قنسرین کو بھی آپ نے ہی فتح کیا، حلب، انطاقیہ، اور منبج کی صلح کا سہرا بھی آپ کے ہی سر سجا اور فلسطین کا گورنر بننے کا شرف بھی حضرت سیدنا عمرؓ نے آپ کو بخشا۔ یہاں تک کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک بار آپ کی طرف دیکھ کر فرمایا: **ما ینبغی لأبی عبد اللّٰه أن یمشی علی الأرض إلا أمیرا.** ''ابو عبداللہ عمرو بن العاص کو امیر کی حیثیت سے ہی زمین پر چلنا جچتا ہے''۔

حضرت سیدنا عمر بن الخطابؓ جب کسی کو دیکھتے کہ وہ صحیح طرح بات نہیں کر سکتا تھا تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو یوں بیان فرمایا کرتے تھے: **أشهد أن خالق هذا وخالق عمرو بن العاص واحد.** ''میں

گواہی دیتا ہوں کہ اس شخص کا اور عمرو بن العاص کا پیدا کرنے والا ایک ہے۔''یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجیب کرشمے ہیں کہ کسی کو فصیح و بلیغ بنایا اور کسی کی زبان میں لکنت رکھ دی[الاصابہ] امام شعبیؒ فرمایا کرتے تھے:''عرب کے عظیم دماغ اور بہترین منصوبہ ساز چار ہیں ان میں ایک عمرو ہیں۔''(ایضاً)امام شعبیؒ فرماتے ہیں: میں حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ رہا ہوں، میں نے ان سے بڑھ کر خوبصورت لہجے میں قرآن پڑھنے والا، اعلیٰ اخلاق رکھنے والا اور ظاہر و باطن کو برابر رکھنے والا نہیں دیکھا۔[حوالہ بالا] حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ اور حضرت سیدنا معاویہؓ کے درمیان صلح کے موقع پر حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ ہی ثالث مقرر ہوئے تھے اور دیانتداری کے ساتھ کامیاب مذاکرات کیے۔آپؓ نے ۴۳ھ میں نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔حضرت سیدنا عمرو بن عاصؓ نے وفات کے وقت اپنے بیٹے حضرت سیدنا عبداللہؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ میری تدفین کے بعد اتنا دیر تک میری قبر پر ٹھہرے رہنا جتنا دیر اونٹ قربان کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے تاکہ آپ لوگوں سے مانوس ہو کر فرشتوں کے سوالات کے جواب دے سکوں اور یہ بھی فرمایا کہ میری زندگی کے تین دور ہیں، ایک زمانہ وہ تھا جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ نفرت کرتا تھا یعنی کفر کا زمانہ، اگر میں اس وقت مر جاتا تو یقیناً جہنم میں جاتا، دوسرا زمانہ وہ تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مجھے کوئی محبوب نہ تھا یعنی اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہونے کے بعد کا زمانہ۔ اگر اس وقت فوت ہو جاتا تو یقیناً جنت میں جاتا۔ اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آیا جس میں مجھ پر مختلف احوال گزرے اور کوئی پتہ نہیں کہ اس کا کیا بنے گا یعنی باہمی اختلاف کا زمانہ[اسد الغابہ:۴/ ۱۷۷] یہ واقعہ حضرت سیدنا عمروؓ کی خدا خوفی پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں آخرت کی کتنی فکر تھی ورنہ ظاہر ہے کہ انہوں نے ہر کام اللہ کی رضا کے لیے اور دین کی سربلندی کی نیت سے کیا جس پر انہیں اجر ملے گا۔[رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ]

☆☆☆☆

شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مدظلہم
خلیفہ مجاز: حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ......شیخ الحدیث: جامعہ صدیقیہ بہاول پور

شیخ محمد بن علوی مکی مالکی کیا تھے؟

یعنی وہ اہلِ سنت تھے یا اہلِ بدعت؟......وہ دیوبندی تھے یا بریلوی؟

صوفی محمد اقبال صاحب مرحوم ومغفور، مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی دامت برکاتہم اور مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی زیدمجدہ یہ تینوں حضرات شیخ محمد بن علوی مکی مالکی کو دیوبندیوں کے شاگرد اور دیوبندیت سے قریب تر کہتے ہیں، اِس کے برعکس بریلویوں کا رسالہ ''جہانِ رضا'' اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اُنہیں ایک بریلوی عرب مفکر اور خانوادۂ احمد رضا کا عقیدت مند قرار دیتے ہیں۔

جانبین کی تحریرات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ علوی مالکی کا دیوبندی علماء سے بھی ربط وضبط ہے اور طاہر القادری جیسے بریلوی علماء سے بھی تعلقات ہیں۔ اگر اِن تعلقات کو دیکھا جائے تو وہ آدھے دیوبندی اور آدھے بریلوی دکھائی دیتے ہیں۔ صوفی اقبال صاحب مرحوم ومغفور تو اُن کی بیعت کر کے خلافت و اِجازت بھی پا چکے ہیں۔ مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب دامت برکاتہم اور مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی مدظلہ محض اُن کی عقیدت ومحبت کے اسیر ہیں۔ چونکہ اِن حضرات کے بقول علوی مالکی کے تعلقات دونوں فریقوں سے ہیں، اِس لیے متضاد تعلقات کی بناپر تو کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ہمیں اُن کی کتابوں کو دیکھنا ہوگا کہ وہ خود کیا کہتے ہیں؟

اُن کی مشہور ومعروف کتاب "مفاهيم يجب أن تصحح" ہے، جس کی اشاعت کے لیے صوفی اقبال صاحب مرحوم اور مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی نے بہت کوشش فرمائی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ کرایا گیا اور اس پر دیوبندی جید علماء کی تقاریظ لکھوائی گئیں۔ مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب مکی مالکی کی کتابوں پر ہونے والی تنقید اور ان کی ذات پر جو انگلیاں اٹھائی گئیں اُس کی گرد جھاڑنے میں مصروف ہیں۔ اِس طرح وہ مکی مالکی کے بلافیس وکیل بنے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مرحوم نے جو اُن پر تنقیدات لکھی تھیں اُن کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ: ''مولانا لدھیانوی کو صحیح معلومات نہیں ہیں اور وہ کسی کے بھڑکانے میں آکر یہ قلم رانی کر رہے ہیں۔'' انہوں نے اپنے متعدد خطوط میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔ خود مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب، شیخ مکی مالکی کو ایک

محقق عالم، جماعت اہل سنت میں شامل اور علماء دیوبند کا غالی عقیدت مند کہتے ہیں۔

جبکہ جامعہ صدیقیہ بہاولپور کی ایک مجلس میں بندہ نے ان سے سوال کیا کہ: مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی نے تو مکی مالکی کی عقیدت ومحبت سے رجوع کرلیا ہے۔آپ نے نہیں کیا؟ تو میرے اِس سوال کے جواب میں فرمایا: وہ (عزیز الرحمٰن) شریف آدمی تھا، اِس لئے اُس نے (رجوع) کرلیا۔؟؟؟؟

میرا دوسرا سوال یہ تھا کہ: مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے علوی مالکی کو جناب مصطفیٰ رضا خانصاحب [صاحبزادہ مولانا احمد رضا خان صاحب] کا خلیفہ بتلایا ہے۔اور رسالہ ''جہانِ رضا'' کا حوالہ دیا ہے۔تو مولانا عبدالحفیظ صاحب نے بڑی بے با کی سے فرمایا کہ: ''قاضی نے جھوٹ بولا ہے۔'' (معاذ اللہ)

اور بھی کئی سوال میں نے اُن سے کیے تھے جو مجھے اِس وقت یاد نہیں آرہے۔ بہر حال اِس سے کم از کم یہ تو ثابت ہوا کہ مولانا عبدالحفیظ صاحب تا حال مکی مالکی کی زلفِ گرہ گیر کے پورے اسیر ہیں۔

دوسری طرف مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی نے ''اکابر کا مسلک ومشرب'' نامی ایک رسالہ لکھ کر اپنا موقف خود ہی واضح کر دیا ہے کہ مکی مالکی کا بین بین کا موقف صحیح اور واجب التعمیل ہے، دیوبندی حلقے کے علماء اور عوام الناس کو بھی مشرف بہ بریلویت ہو جانا چاہئے، اسی طرح مسلکِ حنفی کے دونوں فریقوں کی تفریق اور محاذ آرائی ختم ہوسکتی ہے۔ جیسے کسی زمانے میں دیوبندیوں کے پیرِ پیراں حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تگ ودو کی۔مگر ان کو اِس بات سے ذہول ہوگیا کہ اِس حوالے سے حضرت حاجی صاحب نے جو رسالہ ''ہفت مسئلہ'' لکھوایا تھا، اُس کے متعلق حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا تھا کہ: یہ حمام میں جھونکنے کے کام آئے گا۔'' نیز یہ بھی فرمایا کہ: ''ہم نے طریقت میں حاجی صاحب کی بیعت کی ہے شریعت میں نہیں۔''

میں حیران ہوں کہ جس پارٹی کا باوا آدم مولوی احمد رضا خان ہمارے اکابر کو نام بنام کافر قرار دیتا ہے اور کافر نہ کہنے والوں کو بھی کافر کہتا ہے، اُس کے مریدین ہمیں کیسے مسلمان مان لیں گے؟ اِس سے تو یہ بہتر تھا کہ بریلویوں کو کہا جاتا کہ تمہارے پیرانِ پیر نے جو تکفیرِ مسلمین کی مشین گن لگائی ہوئی ہے اُس کا منہ حقیقی کافروں کی طرف موڑ دو تا کہ احناف کے اِن دونوں گروہوں میں مصالحت ممکن ہوسکے اور امن وآشتی کا ماحول پیدا ہو۔ یا اُن سے یہ کہا جاتا کہ ہم دونوں فریق حنفی کہلاتے ہیں۔اور درحقیقت کون حنفی اور کون حنفی نہیں ہے؟ اِس کا فیصلہ یوں بڑی آسانی سے ہوسکتا ہے کہ ہمارے جن مسائل پر تمہیں اعتراض ہے یا تمہارے جن مسائل پر ہمیں اعتراض ہے اگر وہ عملی مسائل ہیں تو انہیں حنفیت کی مسلم کتابوں ہدایہ، شرح وقایہ، کنز الدقائق، قدوری وغیرہ میں دیکھ لیتے ہیں جو دونوں فریقوں کے نصاب میں شامل ہیں۔ اگر تمہارا اِختیار کردہ مسئلہ ان میں مل جائے تو تم سچے، ہم جھوٹے۔ اور اگر ہمارا اختیار کردہ مسئلہ ان میں مل جائے تو ہم

سچے اور تم جھوٹے۔ پھر جھوٹا جھوٹ کو چھوڑ کر حق کو قبول کر لے۔

یعنی دونوں فریقوں کے مدارس میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں انہیں کو حکم بنا کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

اور اگر وہ اعتقادی مسائل ہیں تو ''شرح عقائد نسفی'' یا ''خیالی'' یا ''عقیدہ طحاویہ'' یا ''فقہ اکبر'' میں دیکھ لیتے ہیں، جس کا عقیدہ ان کے موافق ہو وہ حق اور جو ان کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔

یہ توضیح اور منصفانہ طریقہ تھا۔ مگر اس کی بجائے دیوبندیوں سے یہ کہنا کہ تم اپنا صحیح موقف چھوڑ کر مولود کی محفلیں کرانا شروع کر دو، غیر اللہ سے استمداد کیا کرو، ارواح کو مدد کے لئے بلایا کرو، رسول اللہ سے استغاثہ کرو اور آپ کے لئے علمِ غیب کے قائل ہو جاؤ، حضور علیہ السلام کو مختارِ کل مان لو، آپ ﷺ کو حاضر ناظر جان لو، آپؐ کی بشریت سے انکار کر دو۔ یہ مطالبات دیوبندیوں سے بہت بڑی زیادتی اور بے انصافی ہے۔ جو دیوبندی کہلانے والوں اور اکابر دیوبند کے اخلاف اور نام لیواؤں کو قطعاً زیب نہیں دیتا۔ اگر یہی کچھ کرنا کرانا ہے تو سیدھی طرح بریلوی ہو جاؤ۔ یہ جو بین بین کا راستہ آپ نے اختیار کر رکھا ہے اور جس کی طرف ملکی مالکی کی کتابوں کی روشنی میں دعوت دیتے ہوا سے چھوڑ دو اور یا پھر سچے پکے دیوبندی بن جاؤ اور ان بدعات کو چھوڑ دو اور خرافات سے ہاتھ اٹھا لو۔ یہ دو کشتیوں میں پیر رکھنے سے ڈوبنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا ؎

دو رنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

فیصلہ کن بات:

مولانا عبدالحفیظ ملکی صاحب نے جن واقعات سے ملکی مالکی کو ''اقرب الی الدیوبندیت'' ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، یا انہوں نے بریلوی رسالہ ''جہانِ رضا'' کے جن واقعات سے اُسے ''عرب محقق'' ثابت کرنے کی سعیِ نامشکور کی ہے، اُن کے متضاد ہونے کی وجہ سے اُن کی بنیاد پر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں ملکی مالکی صاحب نے اپنی کتابوں میں دیوبندیت کی دعوت دی ہے یا بریلویت کی۔ اس کو پیش کر کے ہم فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے قارئین بھی ذہین وفطین وحکیم وفہیم ہیں۔ وہ خود بھی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ملکی مالکی صاحب ہمیں کس طرف لے جا رہے ہیں اور اس کا نظریہ اہل سنت والا ہے یا اہلِ بدعت والا۔ وہ دیوبندیت کا پرچار کر رہا ہے یا بریلویت کا۔ اور اسے ہم نے جو کچھ سمجھا ہے اُس کا بھی اظہار کر دیں گے۔

میرا خیال ہے کہ ان محترم حضرات نے یہ ڈھیلے ڈھالے مسائل ملکی مالکی کی کتابوں سے لیے ہیں، اُس نے تو وہ باتیں سلفیوں کے بالمقابل اُن پر حجت قائم کرنے کے لئے لکھی تھیں، مگر ہمارے ہاں سے خود دیوبندیوں پر حجت قائم ہو رہی ہے اور اس کی روشنی میں دیوبندی ہی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ ہمارے ان اصحاب نے تفریق بین الاخوین کو ختم کرنے کے لئے اپنا اور اپنے اکابر کا موقف تو چھوڑ

دیا، مگر کسی ایک بھی بریلوی نے اپنا موقف چھوڑ کر دیوبندیت اختیار نہیں کی۔ اس سے صرف دیوبندیوں کو نقصان پہنچا ہے، بریلوی تو خوش ہیں کہ دیوبندیوں نے پورے ڈیڑھ سو سال تک ہمیں غلط اور گمراہ مشہور کیا، لیکن آج ہماری حقانیت انہی کے قلموں سے ثابت ہو رہی ہے۔

ہمارے اور بریلویوں کے درمیان مشہور اختلافی مسائل چار ہیں:

۱......علمِ غیب ۲......حاضر ناظر ۳......مختارِ کل ۴......نور و بشر

ان چاروں مسائل میں مکی مالکی صاحب بریلویوں کے ساتھ ہیں چنانچہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱)......علم غیب:

مکی مالکی صاحب لکھتے ہیں:

''وأوتی علم کل شیءٍ حتی الروح والخمس اللتی فی آیت: ان اللّٰہ عندہ علم السلاعة وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وماتدری نفسٌ ماذاتکسب غدا وماتدری نفس بأیّ ارضٍ تموت ان اللّٰہ علیم خبیر. [الذخائر المحمدیہ :۲۰۵] **یعنی رسول اللہ ﷺ کو ہر چیز کا علم دیا گیا ہے یہاں تک کہ روح کا بھی اور آیت میں بیان کردہ مغیباتِ خمسہ کا بھی جن کا بیان اس آیت میں ہے کہ: قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش کو برساتا ہے اور ماؤں کے رحموں میں جو کچھ ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے اور کسی نفس کو پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کر سکے گا اور کسی نفس کو علم نہیں کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ اللہ ہی علیم وخبیر ہے۔''**

حالانکہ ان آیتوں کو ''مَغیبات خمسہ'' اِس لیے کہا جاتا ہے کہ اِن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہ ساری مخلوق سے غائب رکھی گئی ہیں اور اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اِن کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ کیا ہمارے بزرگوں کا یہی عقیدہ ہے کہ مَغیباتِ خمسہ کا علم بھی حضور ﷺ کو دیا گیا ہے؟ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''ما المسئول عنها باعلم من السائل یعنی اس مسئلے میں سائل (جبریل) اور مسئول عنہ (حضور علیہ السلام) دونوں بے خبر ہیں۔'' اور قرآن کہتا ہے: ''قل انما العلم عند اللّٰه. آپ اعلان کر دیں کہ قیامت کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔'' اِسی طرح روح کا علم بھی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ہے۔ یعنی روح کے متعلق بہت ہی تھوڑا علم اللہ نے بندوں کو دیا ہے۔ اِس لیے حضور ﷺ نے بھی صرف اس کی نشانیاں بتانے پر اکتفا کیا۔ ''وعنده علم الساعة والیه ترجعون. قیامت کا علم اُسی خدائے پاک کے پاس ہے اور تم اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔'' اِس کے برعکس مکی مالکی صاحب کہتے ہیں کہ حضور کو روح اور مغیباتِ خمسہ کا علم بھی دے دیا گیا ہے۔ پھر اس کے ثبوت میں وہ کہتے ہیں:

''وکم من أمور جاء نا یدل علی أنها حق اللّٰہِ سبحانه وتعالیٰ، ولکنه سبحانه وتعالیٰ منَّ بها علی نبیه صلی اللّٰہ علیه وسلم وغیره، فمنه: علم الغیب، فهو اللّٰہ سبحانه وتعالیٰ قال: "قل لا یعلم من فی السمٰوٰتِ والارض الغیب الااللّٰہ" وقد ثبت ان اللّٰہ تعالٰی علّم نبیه من الغیب ما علمه واعطاه ما اعطاه (عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احداً الامن ارتضی من رسول). [مفاهیم یجب أن تصحح: ۸۳...... هو الله : ۸۹] یعنی کتنے ہی امور ہیں جن کے بارے میں دلیل موجود ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حق ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی ﷺ کو بھی بطورِ احسان عطا فرمائے، ان میں سے ایک علم غیب ہے۔ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللّٰہ. اور ساتھ میں یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو غیب کا جو چاہا علم سکھایا اور عطا فرمایا جیسا کہ اس آیت میں ہے: عالم الغیب فلا یظهر علیٰ غیبه احدا، الا من ارتضی من رسول . اللہ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جو رسول پسندیدہ ہو۔''

ناظرین! غور فرمائیں: پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کو اپنا خاصہ بتلایا ہے۔ لیکن مکی مالکی صاحب کہتے ہیں کہ ان پانچ کا علم بھی اللہ نے حضور علیہ السلام کو بطور احسان دے دیا کیونکہ وہ پسندیدہ رسول ہیں۔

مالکی صاحب کا یہ موقف اِس آیت کی صریح تکذیب ہے۔ کیونکہ آیت میں اظہار علی الغیب کا ذکر ہے جس کو دوسری آیت میں اطلاع علی الغیب بھی کہا گیا یعنی غیب کی جو باتیں منصب نبوت کے لیے ضروری تھیں وہ آپ کو بتلا دی گئیں، اس سے یہ سمجھنا کہ ازل سے لے کر ابد تک ذرے ذرے کا علم اللہ نے حضور ﷺ کو دے دیا، یہ صرف سمجھ کی خرابی ہے یا دماغ کا جنون۔ غیب کی جس بات کی ضرورت ہوتی تھی وہ اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آپ کو بتا دیتا تھا، جیسے: تلك من انباء الغیب نوحیها الیك. [ھود:۳۹] سے ثابت ہے، یعنی یہ غیب کی کچھ خبریں جو ہم آپ کو بذریعہ وحی بتلا رہے ہیں۔ اور اگر آپ کو سارے غیوب بتلا دیئے تھے تو پھر وحی آنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور یہ سمجھنا کہ ما کان وما یکون کا علم حضور کو مل گیا تو پھر ہمیں بھی بتلانا چاہئے کہ حضرت عائشہؓ کے ہار کا علم جو اسی اونٹ کے نیچے پڑا تھا جس پر ام المؤمنین سوار ہوئی تھیں وہ حضور ﷺ کو اور اصحاب کو کیوں معلوم نہ ہوا؟ کیونکہ آپ خود بھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رات بھر پریشان رہے۔ صبح کو اونٹ اٹھایا گیا تو ہار مل گیا۔ اور جب حضرت عائشہ پر تہمت لگی تو حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تمام گھرانہ مہینہ بھر کیوں پریشان رہے؟ آپ کو تو پتہ ہی تھا کہ یہ سارا منافقوں کا بکواس ہے، لیکن آخر کار وحی

آئی تو آپ کو اور اصحاب کو تسلی ہوئی۔ سینکڑوں واقعات ایسے جن میں حضور ﷺ کو وحی کے بغیر پتہ نہیں چلا، وحی نے آکر ہی مسئلے کو حل کیا۔ اِس لئے یہ کہنا کہ: ''حضور ﷺ کو مغیبات ِخمسہ کا پتہ تھا، روح کا علم بھی حاصل تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ملکیت غیب دے دیا تھا جو چاہتے معلوم کر لیتے تھے۔'' یہ بیسیوں نصوصِ صریحہ کا انکار ہے جو حدِ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

میں حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی کے 'علم' سے بڑا متاثر ہوں جنہوں نے "الکنز المتواری" (شرح صحیح بخاری، افادات: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ) کی صورت میں اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے جس سے وہ بڑے بڑے علماء سے کندھا ملا سکتے ہیں۔ لیکن مکی مالکی صاحب کی بے جا تاویلات نہ سمجھ سکے کہ وہ نصوصِ صریحہ کے معنی میں کھلی تحریف کر رہے ہیں، خواصِ خداوندی کو رسول اللہ ﷺ میں ثابت کر رہے ہیں، اُنہوں نے یہ تو دعویٰ کر دیا کہ علمِ غیب خاصہ بعد میں احساناً حضور ﷺ کو دے دیا، مگر اس پر کوئی دلیل پیش نہ کر سکے۔ صرف اطلاع علی الغیب یا اظہار علی الغیب کی بات کر کے چلتے بنے۔ مولانا عبدالحفیظ صاحب اتنی بڑی تحریف کو کیسے ہضم کر گئے کہ پھر بھی اس کی صفائیاں دے رہے ہیں؟ کیا ہمارے اکابر اہلِ سنت اور بزرگانِ دیوبند میں سے کسی نے یہ قول کیا ہے کہ خدا نے بعد میں علم غیب کلی طور پر عطا کر دیا تھا؟ یہ میں ''کلی'' کی بات اِس لیے کر رہا ہوں کہ خود مالکی صاحب نے وَأوتی علم کل شیء کا دعویٰ کیا ہے۔ کیا خواصِ خداوندی کے متعلق ہمارے اکابر نے کہیں لکھا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعد میں حضور علیہ السلام کو اس میں شریک کر لیا تھا کہ اب حضور ﷺ بھی مغیبات ِخمسہ کو اول سے آخر تک جانتے ہیں؟ جب نہیں تو پھر تعجب مالکی صاحب پر کم' آپ پر زیادہ ہے کہ کس طرح آپ اُس کی تصدیق اور تائید کر رہے ہیں جو تحریف ِمعنوی کا مرتکب ہے اور آپ جیسے علم کے پہاڑ سے اپنی غلط اور بے سروپا بات منوا رہا ہے اور آپ بڑی فرماں برداری سے مان رہے ہیں۔۔!!

واضح ہو کہ یہ غلط عقیدہ انہوں نے شیعوں سے لیا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ لکھتے ہیں: "إن الإمام يعلم كل شيء ما كان وما يكون من أمر الدنيا والدين حتى عدد الحصى وقطر الأمطار وورق الأشجار." یعنی شیعوں کے نزدیک ان کا امام ہر چیز کو جانتا ہے، ما کان سے متعلق ہو یا ما یکون سے۔ یعنی گذشتہ کی یا آئندہ کی۔ وہ دنیا کے متعلق ہو یا دین کے۔ یہاں تک کہ کنکریوں کی تعداد بارشوں کے قطرے اور درختوں کے پتے تک بھی۔

اور یہی عقیدہ مولوی احمد رضا خان بریلوی کا ہے۔ شیعہ امام کے متعلق یہ باتیں کہتے ہیں اور احمد رضا خان حضور علیہ السلام کے متعلق۔ جناب مکی مالکی کے معتمد مولوی احمد رضا خانصاحب لکھتے ہیں: ''روزِ

اول سے روزِ آخر تک سب ما کان و ما یکون انہیں یعنی رسول اللہ ﷺ کو بتایا۔'' [انباء المصطفیٰ]

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ہمیشہ ہمیشہ سے لے کر قیامت کے دن تک ذرے ذرے کے واقعات وحالات بتا دیئے۔ یعنی اس مدت سے متعلق جتنا علم اللہ تعالیٰ کو ہے وہ سارے کا سارا اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے دیا ہے۔ اسی کو ایک اور جگہ یوں لکھا ہے: ''ہمارے حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات جملہ ما کان و ما یکون الی یوم القیامۃ جمیع مندرجات یوم محفوظ کا علم دیا۔'' [انباء المصطفیٰ] (یہ سب جھوٹ ہے اس پر کوئی دلیل نہیں۔) مزید: ''اور کون سی سرکار ہے جسے دل کے ارادوں خطروں خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے ما کان و ما یکون کا ذرہ ذرہ نہیں چھپایا۔'' [حدائق بخشش حصہ سوم]

مولوی احمد رضا خانصاحب کے شاگردِ خصوصی اپنی کتاب ''بہارِ شریعت'' میں لکھتے ہیں: ''اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی، زمین وآسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے۔'' اِسی کی ترجمانی مالکی صاحب کر رہے ہیں۔ کیا ہمارے بزرگوں میں سے بھی کسی نے حضور علیہ السلام کا علمِ غیب اسی تفصیل سے پیش کیا ہے؟

(۲)......حاضر ناظر کا ثبوت:

مکی مالکی صاحب لکھتے ہیں: "روحانية المصطفى حاضرة في كل مكان فهي تشهد أماكن الخير والمجالس الفضل." [الذخائر المحمديه :۲۵۹] یعنی محمد ﷺ کی روح ہر جگہ موجود ہے، لہٰذا وہ خیر کے مقامات اور فضل وذکر کی مجلسوں میں حاضر ہوتی ہے۔ دوسری کتاب میں لکھتے ہیں: فكان مقتضى تأتيه بربه و تخلقه بأخلاقه أن يكون صلى الله عليه وسلم حاضر مع ذاكرهٖ في كل مقام يذكر فيه بروحه الشريفة. [حول الاحتفال] چنانچہ حضور علیہ السلام کا اپنے پروردگار کے موافق ہونا اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق عالیہ جلیلہ سے متخلق ہونے کی صفت کا تقاضا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر اس شخص کے پاس حاضر ہوں جو حضور کا ذکر کرتے ہیں۔

کیا یہی عقیدہ اکابر مشائخ دیوبند اور محققین اہل سنت کا ہے؟ جب نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر آپ کیوں ایسی کتاب کی تائید وتصویب کر رہے ہیں جس میں یہ ہفوات بھری ہوئی ہیں۔ اگر اِس دلیل کو مان لیا جائے تو پھر کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جب حضور متخلق باخلاق اللہ ہیں تو انہیں خالق ورازق بھی مان لینا چاہئے، انہیں اولاد دینے والا بھی تسلیم کر لینا چاہئے، جیسے اللہ شمس وقمر کو طلوع وغروب کرتا ہے تو تخلق کی وجہ سے حضور بھی ایسے ہونے چاہئیں وغیرہ وغیرہ۔ کاش! مالکی صاحب کے اِن بہتانات کو آپ محسوس کر لیتے تو اُن کا ساتھ دینے کی بجائے آپ بھی اُن کے ناقدین میں ہوتے۔ یہ مولوی احمد رضا خانصاحب کے اُس ترجمۂ

آیت کی تشریح کی جارہی ہے جوانہوں نے انا ارسلناك شاهداً کے ذیل میں کی ہے۔وہ اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ:''بے شک ہم نے آپ کو حاضر ناظر بنا کے بھیجا ہے۔''

جبکہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب البحر الرائق میں لکھا ہے کہ:اگر اِس طرح نکاح کیا جائے کہ دو گواہوں کی جگہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو گواہ بنالیا (کیونکہ وہ حاضر ناظر ہیں) تو نکاح تو کیا ہوگا وہ خود ہی کافر ہو جائے گا۔ازروئے قرآن ہر جگہ حاضر ناظر ہونا بھی خاصۂ خداوندی ہے۔قرآن کہتا ہے: "ان الله على كل شيء شهيد." دوسری جگہ: "وانت على كل شيء شهيد." ،تیسری جگہ:"وكان الله على كل شيء رقيبا."چوتھی جگہ:"وما تكون في شان وماتتلو منه من قرآن ولا تعملون من عمل الا كنا عليكم شهيدا اذ تفيضون فيه." ان سب آیات میں اللہ تعالیٰ ہی کو حاضر ناظر بتلایا گیا ہے۔کیا کسی آیت میں:"ان محمدًا علىٰ كل شيء شهيد." بھی ہے؟ پھر اس تحریفِ قرآن والے دعوے میں آپ کیوں اُس کی تائید اور تصویب کر کے اُس کے گناہ میں شریک ہو رہے ہیں۔؟؟

میں حیراں ہوں کہ جو قرآن و سنت کے محافظ تھے
وہی تحریفِ قرآں کرنے والوں کے مؤید ہیں

کتنی عجیب بات ہے کہ شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء اِس کتاب پر کیسے صاد کرتے ہیں؟ کیسے تقریظ لکھواتے ہیں؟ کیسے اس کے ترجمے کرا کر شائع کرتے ہیں؟ نتیجتاً دیوبندیوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔کیا حضرت شیخ مرحوم میں کوئی کمی تھی جو اُن کے بعد ایسے پیر کا دامن پکڑ لیا جو مبتدعانہ بلکہ مشرکانہ عقیدے پھیلانے میں پوری طرح سرگرم ہے اور ہم لوگ اُس کی صفائیاں دے کر اُسے عوام میں اور مقبول بنا رہے ہیں اور اُسے اقرب الی السنۃ قرار دے کر بے علم دیوبندیوں کو اُس کے جال میں پھنسا رہے ہیں۔میں کوئی بہت بڑا عالم یا ولی اللہ نہیں ہوں،علماء دیوبند کا ایک ادنی کفش بردار ہوں،لیکن میرا اذعان ویقین یہ ہے کہ علم اور ولایت میں علماء دیوبند کی کوئی مثال سارے عالم میں نہیں ہے،نہ عرب میں نہ عجم میں،نہ مکے میں نہ مدینے میں،علماء دیوبند کی ذوات دینِ اسلام کی چلتی پھرتی تعبیر وتفسیر ہیں،ہمیں کسی اور سے شاذ نسبت کی کوئی ضرورت نہیں۔

صوفی اقبال صاحب مرحوم نے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مکی مالکی سے نسبت جوڑ کر حضرت شیخ کی توہین کی ہے۔اور جو دیگر خلفاء ان کی تائید میں ہاں سے ہاں اور سُر سے سُر ملا رہے ہیں وہ بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ کی ناقدری کر رہے ہیں۔میں تصوف وسلوک میں سلسلہ چشتیہ کی شاخ ''رائے پوری'' سے منسلک ہوں،مگر مجھے پتہ ہے حضرت رائے پوریؒ حضرت شیخ زکریا رحمہ اللہ کو بہت بلند مقام دیتے تھے،وہ رائے پور

میں حضرت الشیخ کی آمد کے منتظر رہا کرتے تھے، آنے جانے والوں کے ہاتھ سلام و پیام کا تبادلہ کیا کرتے تھے اور حضرت شیخ کی آمد پر انتہائی مسرت کا اظہار کرتے تھے، اُن کی شاہانہ دعوت کیا کرتے تھے اور بڑے بلند کلمات سے اُن کا تعارف کراتے تھے، چھوٹے ہونے کے باوجود جس کو میرے شیخ بڑا سمجھتے تھے، میں اُن کو سب سے بڑا سمجھتا ہوں ؎

کہا جاتا ہے اُن کو چھوڑ کر کے تم اِدھر آؤ
کوئی اُن سا دکھاؤ تو تمہاری بات میں مانوں
کہاں وہ علم، وہ تحدیث، وہ ذوقِ عبادت ہے
بڑا اُن سے دکھاؤ تو ذرا میں بھی تو کچھ جانوں

(۳)......مختارِکل کا مسئلہ:

جناب مالکی صاحب لکھتے ہیں: فکل الارزاق من کفہٖ [الذخائر المحمدیہ :۱۱۰] یعنی ہر طرح کا رزق آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے ملتا ہے۔ گویا اللہ نے آسمان و زمین کے تمام خزانے نبی پاک ﷺ کو عطا کر دیئے ہیں اور اب آپ ہی مخلوق میں رزق تقسیم کرتے ہیں۔ علوی صاحب مفاہیم میں لکھتے ہیں: یعلم کل أحدٍ أن الموحد إذا طلب شيئاً من ذوی الجاهِ عند الله فلا يريد منهم أن يخلقوا شيئاً...... شيئاً من ذلك، إنما يريد أن يتسبب له بما أقدرهم الله عليه من دعاءٍ وما شاء الله من تصريف. [مفاہیم:۱۷۴] یعنی ہر شخص جانتا ہے کہ موحد جب اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی ذی مرتبہ سے کچھ طلب کرتا ہے تو اس کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ وہ اس کے لیے اس چیز کو پیدا کر دیں اور نہ ان کا ان کے بارے میں خالق ہونے کا عقیدہ ہوتا ہے، بلکہ اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دعا کرنے اور تصرف کرنے کی جو قدرت عطاء فرمائی ہے اس کو وہ سبب کے طور پر کام میں لائیں۔

وضاحت:

دعا کی قدرت تو بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دی ہے، لیکن آپ کے تصرف کی جو بات کی ہے یہ غیر مسلّم ہے۔ اس کے لئے تو کوئی دلیل چاہئے۔ اپنی مرضی سے اگر کائنات میں تصرف کر سکتے ہیں تو میدانِ اُحد میں شکست کیوں ہوئی تھی؟ چہرہ مبارک زخمی کیوں ہوا تھا؟ تصرف کر کے کافروں کی فوج کا بیڑا غرق کر دیتے، میدانِ بدر میں نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟ مدینے میں بیٹھے پھونکا مارتے سارے کافروں کا ستیاناس ہو جاتا، مکہ مکرمہ میں جو بدمعاش مسلمانوں کو عذاب میں مبتلا کرتے تھے، آپ ﷺ تصرف کر کے اُن کو اپاہج کر دیتے، تین سال شعب ابی طالب میں کیوں محصور رہے؟ فرشتوں کو بلا کر کافروں کا محاصرہ کر

لیتے۔

اَب اِس کے خلاف قرآنِ پاک کی تصریحات دیکھیں۔وان یمسسك الله بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یمسسك بخیر فھو علی کل شیء قدیر. اگراللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تواس کےسوا کوئی ہٹانہیں سکتا،اوراگراللہ تجھےکوئی خیر پہنچائے (وہ کرسکتاہے) کوئی روک نہیں سکتا۔وان یردك بخیر فلا راد لفضلہ. اگروہ تیرے ساتھ خیر کاارادہ کرےتواس کےفضل کوکوئی روکنےوالانہیں۔قل انی لا املك لکم ضراً ولا نفعاً. آپ فرمادیں کہ میں تمہارےنفع نقصان کامالک نہیں ہوں۔قل لا املك لنفسی ضراً ولانفعاً. آپ فرمادیں میں خوداپنےنفع نقصان کامالک نہیں ہوں اورجواپنےنفع نقصان کامالک نہ ہو وہ دوسرے کاکیاکرسکتاہے۔ان آیاتِ قرآنیہ سے واضح ہے کہ تصرف صرف خدا کے ہاتھ میں ہے کسی اور کےنہیں۔وہ یفعل الله ما یشاء و یختار ہےوہ جوچاہتاہےکرگزرتاہےاورجواسے پسندہوتاہےوہ ہوجاتا ہے۔

جناب علوی مالکی صاحب نے یہ اختیار رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔جیسا کہ مولوی احمد رضا خانصاحب نے اپنی کتاب ''الامن والعلیٰ'' میں لکھا ہے کہ: ''احکامِ شریعت حضور کے سپرد ہیں، جو بات چاہیں ناجائز کردیں جس چیزیا جس شخص کو چاہیں مستثنیٰ کردیں۔'' اور اپنی کتاب ''برکات الامداد'' میں لکھتے ہیں: ''حضور ﷺ ہرقسم کی حاجت روائی کرسکتے ہیں دنیا آخرت کی مرادیں سب حضور ﷺ کے اختیار میں ہیں۔'' گویا مالکی صاحب احمد رضا خانصاحب سے لے رہے ہیں اور منحرف خلفاء شیخ زکریا رحمہ اللہ کو دے دیتے ہیں۔ہمیں اس لینے دینے پرکوئی اعتراض نہیں،مگر یہ سب کچھ چونکہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے عقائد واعمال کے خلاف ہےاور یہ ایک نئی لائن ہے، اِس لیے اِن لوگوں کو چاہئے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ سے اپنا انتساب چھوڑ دیں اوراگرحضرت شیخ اِس وقت حیات ہوتے تو وہ یقیناً اِن کی خلافتوں کومنسوخ کردیتے۔پھر اِن کے پاس ایک بدعتی پیر کی خلافتِ نامسعود باقی رہ جاتی جوآخرت کے کسی کام نہ آتی بلکہ اِن کےاوپر حجت ملزمہ بن جاتی۔

احمد رضا خانصاحب کے ایک شاگردِ خاص امجد علی لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں۔تمام جہان حضور علیہ السلام کے زیرِتصرف کردیا گیا ہے،جوچاہیں کریں جسے چاہیں دیں،جس سے جوچاہیں واپس لیں،تمام جہان میں اُن کے حکم کوپھیرنے والا کوئی نہیں،تمام جہان اُن کامحکوم ہےاوروہ اپنے رب کے سواکسی کے محکوم نہیں۔تمام آدمیوں کے مالک ہیں جواِن کواپنامالک نہ سمجھے حلاوتِ سنت سے محروم ہے،تمام زمین اُن کی ملک ہے،تمام جنت اُن کی جاگیر ہے،

ملکوت السموات والارض حضور علیہ السلام کے زیرِ فرمان ہے، جنت ونار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دے دی گئی ہیں، رزقِ خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا وآخرت حضور علیہ السلام کی عطا کا ایک حصہ ہے، احکامِ شریعت حضور علیہ السلام کے قبضے میں کر دیئے گئے ہیں کہ جس پر جو چاہیں حرام کر دیں اور جس کے لئے جو چاہیں حلال کر دیں۔'' [بہارِ شریعت، حصہ اول]

گویا معاذ اللہ خداوندِ عالم اب ریٹائر ہو گئے ہیں یا چھٹیاں گزار رہے ہیں اس لئے مخلوق کو اب اپنی ہر حاجت کے لئے حضور ہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ احمد رضا خانصاحب اور ان کے مریدوں کا یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔ دیکھئے قرآن میں ہے: '' قل انی لا املك لكم ضراً ولا شراً. آپ فرما دیں میں تمہارے نقصان اور ہدایت کا مالک نہیں۔'' دوسرے مقام پر فرمایا: ''میں تمہارے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔'' شاید مکی مالکی صاحب کو احمد رضا خانصاحب کی کتابیں تو پہنچیں مگر اُن کے شاگرد امجد علی کی ''بہارِ شریعت'' نہیں پہنچی، ورنہ وہ بھی اِسی طرح حضور کے فعال لما یرید ہونے کی تفصیل کرتے۔

(۴)......بشریت کا انکار:

مالکی صاحب کہتے ہیں:

إن وصفه صلى الله عليه وسلم بالبشرية يجب أن يقترن بما يميزه من عامة البشر من ذكر الخصائص الفريدة ومن مناقبة الحميدة وهذا ليس خاصاً به صلى الله عليه وسلم بل هو عام فى حق جميع رسل الله سبحانه وتعالىٰ لتكون نظرتنا إليهم لائقة بمقامهم وذلك لأن ملاحظه البشرية العادية المجردةِ فيهم دون غيرها هى نظرية جاهلية شركية. [هو الله:۸۴]

جب نبی ﷺ کا بشر ہونا ذکر کیا جائے تو واجب ہے کہ اس کے ساتھ آپ کے یکتا خصائص اور قابلِ تعریف مناقب کو بھی بیان کیا جائے تا کہ عامۃ البشر سے آپ ممتاز ہو جائیں اور یہ حکم آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تمام رسولوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ تا کہ اُن کی طرف ہماری نظر اُن کے مرتبہ کے مطابق ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسولوں کے بارے میں اور اوصاف کو چھوڑ کر محض عام بشریت کا لحاظ کرنا جہل اور مشرکانہ نظریہ ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ مشرکین کہتے تھے کہ: یہ ہماری طرح کے بشر ہیں۔ اِس میں تو کمالاتِ نبوت کی نفی ہے، یہ نظریہ واقعی جاہلانہ نظریہ ہے۔ لیکن اِس قید کے بغیر کسی نبی کو محض یہ کہنا کہ: "هو بشر" جاہلی نظریہ نہیں ہے کیونکہ اس میں کمالات کی نفی نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ عدمِ ذکر ہے۔ اور ضرورت کے وقت نبی ﷺ کے نوعِ انسانی سے ہونے کا اظہار ہے۔ جہاں آپ کی جنس کا بیان مقصود ہو وہاں صرف ''بشر'' ہی کہنا مناسب

ہے۔جیسے:''ان نحن الا بشر مثلکم. یعنی ہم تو صرف تمہارے جیسے بشر ہیں۔''جس وقت لوگ رسول کی بشریت کے منکر ہوں اور آپ کو نور من نور اللہ کہتے ہوں وہاں صرف بشر کہنا واجب ہو جاتا ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زبان سے کہلوایا:''ھل کنت الا بشراً رسولا. میں صرف بشر ہوں جسے خدا نے رسالت عطا فرمائی ہے۔''اور آپ سے یہ بھی اعلان کرایا گیا:''قل انما انا بشر مثلکم آپ برملا کہہ دیں کہ میں تو جنس کے لحاظ سے تمہارے جیسا بشر ہی ہوں۔''رہی مرتبے کی بات وہ ہے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یہ سب پیش بندیاں ہیں کہ بعد والے لوگ نبیوں کو بشریت سے نکال کر نورِ محض نہ بنا دیں۔حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے اپنے خطبات میں فرمایا ہے کہ:''جو عالم اِن چار منصوصات کا انکار کرے اور کہے کہ حضور ﷺ عالم الغیب ہیں، حاضر ناظر ہیں، مختارِ کل ہیں اور آپ کی بشریت کا منکر ہو وہ یقیناً کافر ہے۔رہے عوام الناس وہ بے علمی کی وجہ سے معذور سمجھے جاسکتے ہیں۔''

جناب مالکی کے چند اور رضا خانی نظریات:

اکابر اہل سنت حضراتِ دیوبند اور رضا خانیوں کے مابین بنیادی اور اصولی اختلاف جن چار مسائل کے گرد گھومتا ہے، یعنی[۱]علمِ غیب۔[۲] حاضر ناظر۔[۳] مختارِ کل۔[۴] بشریتِ رسول۔اور اِن چاروں کی بابت ہم جناب مالکی صاحب کی اپنی عبارات سے اُن کے رضا خانی ہونے کے ٹھوس شواہد پیش کر چکے ہیں۔اب ہم چند دیگر مسائل کے بارے میں جناب مالکی صاحب کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔جس سے یہ بات مزید نکھر کر سامنے آجائے گی کہ جناب مالکی صاحب کے تقریباً تمام افکار رَضا خانی نظریات کے بالکل مطابق ہیں۔عقائد و نظریات دیوبند سے اُن کا دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

(۱)......استغاثہ یا استعانت من الرسول:

حدیث رسول ہے:''لا یستغاث بی انما یستغاث باللہ یعنی مجھ سے مدد نہ مانگا کرو!استغاثہ صرف خدا سے ہوسکتا ہے۔''مکی مالکی صاحب ایک جگہ خود بھی کہتے ہیں:''لا یطلب من العبد مالا یقدر علیہ. [مفاہیم:۱۹۷] بندے سے وہ چیز نہیں مانگنی چاہئے جس پر وہ قادر نہ ہو۔''نبی ﷺ نے صحابہ کو یہی سکھایا کہ بندے سے وہ چیزیں نہیں مانگنی چاہئیں جن پر وہ قادر نہ ہو۔مالکی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں: جو امور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں ابن تیمیہ نے اُن کا خلاصہ ذکر کیا ہے، بالکل ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے، ہم بھی اُسی کے قائل ہیں جو شیخ نے فرمایا ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کا ایک حق ہے، اُس میں کوئی مخلوق اُس کی شریک نہیں۔عبادت اللہ کے سوا کسی کے لیے صحیح نہیں، اُسی سے دعا کرنی چاہئے اور اُسی

کو پکارنا چاہئے۔'' لیکن اس کے برخلاف مالکی صاحب ہی مفاہیم کے صفحہ ۱۷۶ پر فرماتے ہیں کہ: ''حضرات صحابہ حضور علیہ السلام سے غیر مقدور العبد اشیاء کو طلب کرتے تھے اور حضور علیہ السلام ان کی مرادیں پوری فرماتے تھے۔ عبارت ملاحظہ ہو!'' وهكذا كل ما طلب منه صلى الله عليه وسلم من خوارق العادات كشفاء الداء العضال بلا دواءٍ وإنزال المطر حين الحاجة إليه ولا سحاب وغيره ذلك، فهو مما لا يدخل تحت قوة البشر عامة، فكان يجيب إليه لا يقول عليه السلام: إنكم أشركتم فجددوا إسلامكم فإنكم طلبتم منى ما لا يقدر عليه إلاالله.'' [مفاہیم: ۱۷۵]

دوسرے مقام پر لکھا ہے: ''وقد كانت الصحابة يستغيثون به صلى الله عليه وسلم ويطلبون منه الشفاعة ويشكون حالتهم ويطلبون منه ويسألونه ...... انه ليس إلا واسطة وسببا فى النفع والضرر والفاعل حقيقة هو الله. [مفاہیم: ۱۲۸] ایسے ہی جو کچھ بھی آپ سے طلب کیا جاتا خواہ وہ خرقِ عادت ہو جیسے مزمن بیماری بغیر دوا کے اور بارش کا برسانا جبکہ بادل بالکل نہ ہو اور اس کے علاوہ بھی تو سب وہ کام جو عامۃ الناس کی قدرت میں نہیں ہیں، جب یہ چیزیں آپ سے مانگی جاتیں تو آپ عطا کردیتے تھے۔ حضور علیہ السلام یہ نہیں فرماتے تھے کہ تم یہ (غیر مقدور العبد) چیزیں مانگ کر مشرک ہوگئے اِس لیے تجدید اسلام کرو۔''

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''اصحابِ کرام آنحضرت ﷺ سے استغاثہ کیا کرتے تھے، آپ سے طلبِ شفاعت کرتے تھے، اپنے حالات کی شکایت کرتے تھے، آپ سے مانگتے تھے، سوال کرتے تھے، اِس سارے معاملہ میں آپ صرف واسطہ اور سبب ہوتے تھے، نفع ضرر حقیقۃً اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

سوال:

کیا ابن تیمیہؒ نے اللہ کے حق کی یہی تشریح کی ہے کہ خرقِ عادت چیزیں اور خواصِ خداوندی بھی حضور سے طلب کیا کرو؟ وہ تو فرماتے ہیں: عبادت اللہ کے سوا کسی کے لیے صحیح نہیں، اُسی سے دعا کرنی چاہئے اور اُسی کو پکارنا چاہئے، مگر آپ لوگوں کو حضور ﷺ سے مانگنا اور حضور سے دعا کرنا سکھا رہے ہیں کہ جو خرقِ عادات بھی حضور سے مانگتے تھے حضور اُن کی مانگ پوری کردیتے تھے۔ اور یہ ابنِ تیمیہ پر تہمت لگا رہے ہیں۔ کیونکہ وہ تو حضور ﷺ سے دعا اور پکار کی نفی کر رہے ہیں۔ اور آپ اس کی ترغیب دے رہے ہیں اور صحابہ کو بھی اس فعلِ غیر مشروع میں ملوث بتا رہے ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے صرف دعا کے لیے کہتے تھے اور آپ دعا کردیتے تھے اور کبھی بطور معجزہ زخم پر ہاتھ پھیر کر اس کو اچھا کردیتے تھے اور معجزہ آپ کے اختیار میں نہیں ہوتا

تھا جب خدا چاہتا تھا تو ہوجاتا تھا اور جب نہیں چاہتا تھا نہیں ہوتا تھا۔ بارش کا برسانا بھی خاصۂ خداوندی ہے، حضور علیہ السلام صلوۃ الاستسقاء پڑھتے یا صرف دعا کرتے تھے بادل گھر کر آجاتے تھے اور جل تھل ہو جاتا تھا۔ یہ تمہاری تشریح قرآنی تصریح وینزل الغیث کے بالکل خلاف ہے، اِس لیے ناقابل تسلیم ہے بارش خدا برساتا تھا، دعا حضور علیہ السلام کرتے تھے۔ تو اس سے خرقِ عادت پر حضور علیہ السلام کی قدرت کیسے ثابت ہوگئی؟ رہی طلبِ شفاعت تو وہ حضور کے تحت القدرت ہے ہی۔ جیسے بخاری میں ہے:

''یا رسول الله! هلكت الأموال انقطعت السبل فادع الله أن يغيثنا، قال فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه فقال: اللهم اسقنا اللهم اسقنا اللهم اسقناالخ. یارسول اللہ! مال ہلاک ہوگئے، راستے بندے ہوگئے، آپ اللہ سے دعا کریں اللہ ہمیں بارش دے تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور بارش ہوئی اور خوب ہوئی اور سات دن تک ہوئی پھر آپ سے دعا منگوائی گئی تو بارش بند ہوئی۔''

ایسے تمام معاملات میں حضور دعا فرماتے تھے تصرف نہیں کرتے تھے۔ یا پھر بطور معجزہ وہ کام سرانجام ہوجاتا تھا۔ اور شفاعت تو آپ ﷺ نے خود کرنی ہے۔ لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

(۲)......ارواح مدد کو آتی ہیں:

مکی مالکی صاحب لکھتے ہیں: ''ولا شك أن الأرواح لها من الانطلاق والحرية ما يمكنها من أن تجيب من يناديها وتغيث من يستغيثها كالأحياء سواء بسواء بل أشد وأعظم [مفاہیم: ۱۸۰] اور کوئی شک نہیں ارواح کو اتنی آزادی حاصل ہے جس سے اُن کے لیے ممکن ہوتا ہے کہ وہ زندوں کی طرح بلکہ اُن سے بھی بڑھ کر اپنے پکارنے والوں کو جواب دیں اور اپنے سے فریاد کرنے والوں کی فریادرسی کریں۔''

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''تصرفات الأرواح على نحو تصرفات الملائكة لا تحتاج إلى مماسة ولا آلة فليس على نحو تعرف من قوانين التصرفات عندنا، فإنها من عالم آخر. [مفاہیم] یعنی فرشتوں کے تصرفات کی طرح ارواح کے تصرفات کے لیے بھی چھونے کی یا کسی آلہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں تصرفات کے جو قوانین اور ضابطے ہیں وہ ارواح کے ہاں نہیں ہیں کیونکہ وہ دوسرا عالم ہے۔''

پھر فرماتے ہیں: ''حيث ثبت حياة الأرواح بالأدلة القطعية ولايسعنا بعد ثبوت الحياة إلا إثبات خصائصها، فإن ثبوت الملزوم يوجب ثبوت اللازم كما أن نفي اللازم يوجب نفي

الـمـلـزوم كما هو معروف. [مفاهيم] جب قطعی دلائل سے ارواح کی حیات کے ثبوت کے بعد ہمیں حیات کے بعد حیات کے خصائص کو بھی ماننا پڑے گا کیونکہ ملزوم کا ثبوت لازم کے ثبوت کا موجب ہوتا ہے جیسا کہ لازم کی نفی ملزوم کی نفی کو واجب کرتی ہے۔''

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:'' وايّ مـانع عملاً من الاستعاذة إلى الله بها والاستمداد منها كـمـا يستـعيـن الـرجل بالملائكة فى حوائجه أو كما يستعين الرجل بالرجل وأنت بالروح لا بـالـجسـم إنسـان. [مفاهيم] اور ارواح کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کے طور پر ارواح سے استعانت میں آخر کون سی عقلی دلیل مانع ہے؟ یہ استعانت اور مدد طلبی ایسی ہی ہے جیسے ایک آدمی اپنی ضروریات کو پوری کرنے کے لئے فرشتوں سے کرتا ہے یا جیسے ایک آدمی دوسرے سے کرتا ہے اور تم روح کی وجہ سے انسان ہو نہ کہ محض جسم کی وجہ سے۔''

ان تمام اقتباسات کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو اپنی امداد کے لیے خدا سے مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ روحوں اور فرشتوں سے استمداد کیا کرے۔ مالکی صاحب کہتے ہیں روحیں چونکہ زندہ ہیں لہٰذا اُن سے مدد مانگنے میں کوئی قباحت نہیں۔ تو جناب کیا جو بھی چیز زندہ ہو اُس سے مدد مانگنی ضروری ہے؟ پھر ہمیں سب جانوروں سے بھی مدد مانگنی چاہئے۔ اگر ایک مانع ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں: لا تـدعـوا مع الله احداً. اللہ سے تو دعا کرو کسی اور سے نہیں۔'' اور قرآن نے کہا ہے:'' وايـاك نستعين. اے خدا ہم صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں نہ کہ تیرے غیر سے۔'' خدا کے ساتھ اس وعدے کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:'' إذا استعـنتَ فاستعن بالله. یعنی تجھے کسی مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے مانگا کرو۔'' اس لیے فرشتوں سے مدد مانگنا بھی جائز نہیں نہ ہی ارواح سے۔ مالکی صاحب کی یہ دلیل انتہائی عجیب ہے کہ چونکہ روحوں کی حیات قطعی طور پر ثابت ہے اِس لیے اُن سے مانگنا چاہئے۔ پھر تو اِس دنیا میں سات ارب انسان زندہ ہیں پہلے ہم اُن کی طرف متوجہ ہوں۔ جب ہم ان سے مانگ کر فارغ ہو جائیں گے پھر فرشتوں اور روحوں کی طرف متوجہ ہوں گے۔ یا جب خدا ہمیں دینے سے انکار کر دے گا پھر اِن سے ناطہ جوڑ لیں گے۔ جیسے جب تک حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ حیات تھے خلفاء اور مریدین اُن سے تربیت کراتے رہے، جب وہ فوت ہو گئے تو جناب مکی مالکی صاحب کی طرف رجوع کر لیا۔ مگر اِس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ پیر کی وفات کے بعد کسی زندہ پیر کی طرف رجوع کرنا بالکل منع ہے۔ نہیں! جب مزید تربیت واصلاح کی ضرورت ہو تو کسی دوسرے متبع سنت پیر سے رجوع کرنا جائز ہے۔ بلکہ بعض حالات میں مستحب ہے۔ لیکن مبتدع فی العقیدہ اور مبتدع فی العمل کی طرف رجوع کرنا بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

رفعِ اشتباہ اور وسیلہ:

کوئی شخص اس سے یہ نہ سمجھ لے کہ میں وسیلے کا منکر ہوں۔ حاشا وکلا! وسیلہ تو قرآن سے ثابت ہے۔'' یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ (سورۃ مائدہ) **یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔'' علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت سے توسل** بالمقبولین **کو جائز قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ اس کا قائل بھی توسل بالصفات کرتا ہے۔**

اور متعدد احادیث سے بھی یہ ثابت ہے۔ عن عمر بن الخطابؓ قال فی واقعۃ العباس رضی اللہ عنہ اللھم إنا کنا نتوسل إلیک بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا، إنما نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا! قال فیسقون. [**صحیح بخاری: ۱/۱۲۷**] **حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ انہوں نے دعا کی کہ: اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے نبی پاک ﷺ کے وسیلہ سے دعا کیا کرتے تھے اور تو بارش برسا دیتا تھا۔ اب وہ تو نہیں ہیں ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں۔ تو ہمیں بارش دے! راوی کہتا ہے بارش ہوگئی۔''**

"وعن عثمان بن حنیفؓ أن رجلا ضریر البصر أتی النبی ﷺ فقال: أدع اللہ أن یعافینی، قال: إن شئت صبرت فھو خیر لک، قال: فادعہ! قال: فأمرہ أن یتوضأ فأحسن وضوءہ ویدعوا بھٰذا الدعاءِ: اللھم إنی أسئلک وأتوجہ إلیک بنبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ، إنی توجھت بک إلٰی ربی فی حاجتی ھٰذہ لتقضی لی اللھم فشفعہ فیّ. [جامع ترمذی: ۲/۱۹۷] **عثمان بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا آدمی نبی پاک ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے لیے دعا کردیں اللہ مجھے عافیت دے۔ آپ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو صبر کرے جو تیرے لیے بہتر ہے۔ (اور اگر چاہے تو میں دعا کردوں) اُس نے کہا: آپ دعا کردیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اچھی طرح وضو کر کے آ اور پھر یہ دعا کر: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے نبی پاک محمد ﷺ کو متوجہ کر کے جو نبیِ رحمت ہیں۔ اور میں آپ کو متوجہ کرتا ہوں اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں تاکہ میرے لیے وہ پوری کردی جائے۔ اے اللہ! پس تو اس کی شفاعت کو قبول فرما۔'' [ترمذی شریف]**

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عباسؓ کے اِس قصے سے نیک لوگوں کے وسیلے سے دعا کرانے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا وسیلہ دینا بالکل برحق ہے اور ہم اسی کے قائل ہیں۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ جس کو وسیلہ بنایا جائے اُسے وسیلہ ہی رہنے دیا جائے، اُسے مقصود بنا کر اُسی سے دعا نہ شروع کردی جائے، جیسے مالکی صاحب نے ارواح اور فرشتوں کو وسیلہ نہیں بلکہ مقصود بنا دیا کہ خود اُن سے دعا کرنے کی

ترغیب دے رہے ہیں۔ مانگنا بہرحال اللہ سے ہے، اِن نیک لوگوں کی عزت وحرمت اور تقرب الی اللہ کو واسطہ بنایا جائے تو ٹھیک ہے، کوئی حرج نہیں۔

(۳)......مجالسِ میلاد:

مکی مالکی صاحب فرماتے ہیں: ''وقد كتبنا عن المولد النبی ﷺ كثيرًا وتحدثنا عنه فی الإذاعة والمجامع العامة مراراً بما يذهب معه وضوح مفهومنا عن المولد الشريف. [حول الاحتفال بالمولد النبی الشريف] ہم نے نبی ﷺ کے مولود پر بہت کچھ لکھا ہے اور اس کے متعلق ریڈیو میں اور عام مجمعوں میں کئی دفعہ گفتگو کی ہے۔ اتنا کہ اس سے مولود شریف کے متعلق ہمارے مفہوم کی پوری طرح وضاحت ہو جاتی ہے۔''

مالکی صاحب کو مولود شریف کے اجتماعات کا اتنا شوق ہے کہ فرماتے ہیں کہ:

''مولود شریف کے یہ اجتماعات حرمین شریفین میں ہماری طرف سے پورے سال میں اس شکل اور هئیتِ مخصوصہ کے ساتھ منائے جاتے ہیں جس کی کوئی نظیر نہیں اور اسی طرح ہر خوشی کے موقع پر محفلیں منعقد کی جاتی ہیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہر شب وروز ہماری طرف سے یہ اجتماعات ہوتے ہیں اور لوگ پوری رغبت کے ساتھ ان میں شریک ہوتے ہیں۔''

میں کہتا ہوں ہمارے اکابر نے مولود اور اس جیسی دیگر بدعات کو ختم کرنے کے لیے اپنی زندگیاں لگا دیں، طعن وتشنیع سنا، اپنے اوپر وہابی اور کافر ہونے کے فتوے لگوائے۔ جبکہ مالکی صاحب اِن بدعات کی پر زور ترغیب دے رہے ہیں۔ پھر بھی وہ اقرب الی الدیوبندیہ ہیں۔۔!! ''برعکس نہند زنگی کافور'' ایسے ہی مواقع کے لیے کہا گیا ہے۔ اور ہمارے سادہ لوح خلفاء ومعتقدین اِن بدعتوں کو رواج دینے کے لیے مالکی صاحب کی تائید وتصویب کر رہے ہیں۔ اور پھر بھی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے اپنی نسبت کو محفوظ اور مضبوط سمجھتے ہیں۔ میں بالیقین کہتا ہوں کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اگر اپنے اِن نام نہاد خلفاء کی یہ حرکتیں دیکھتے تو خلافتیں منسوخ کر دیتے۔ ☆☆☆☆

وفیات

......معروف محقق اور مناظر وکیل احناف حضرت مولانا محمد اسماعیل محمدی صاحب رحمہ اللہ [لاہور]

......محترم جناب ماسٹر محمد یوسف صاحب کے فرزند [بھیں، چکوال]

......حضرت مولانا نور حسین عارف صاحب کے بھائی حاجی منظور زاہد صاحب رحمہ اللہ [مکہ مکرمہ]

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔ [ادارہ]

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان قسط:۵

حدیث کلاب حوأب کا مصداق اور قاضی طاہر علی کی تحقیق پر ایک نظر

کیا امام حاکم رافضی ہیں؟

اب ایک بات رہ گئی جس کو قاضی طاہر علی صاحب لئے پھرتے ہیں، یہ کہ حاکم شیعہ ہے یا رافضی؟
امام تقی الدین عبدالوہاب سبکی شافعی رحمہ اللہ (م ۷۷۱ھ) نے اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے فرماتے ہیں کہ:
امام حاکم پر تشیع کا الزام لگا ہے، اور یہ بھی کہا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدم کرتے ہیں (حضرت عثمان سے افضل جانتے ہیں) صحابہ پر طعن کیے بغیر۔

فنظرنا فاذا الرجل محدث لایختلف فی ذلك، وهذه العقيدة تبعد علی محدث فان التشيع فيهم نادر، وإن وجد فی أفراد قليلين، ثم نظرنامشائخه الذين أخذ عنهم العلم فوجدنا هم من كبار أهل السنة ومن المتصلبة فی عقيدة أبی الحسن كالشيخ أبی بكربن إسحاق الصبغی والأستاذ أبی بكر بن فورك والأستاذ أبی سهل الصعلوكی وأمثالهم، وهؤلاء هم الذين كان يجالسهم فی البحث ويتكلم معهم فی أصول الديانات ومايجری مجرها، ثم نظرنا تراجم أهل السنة فی تاريخه فوجدناه يعطيهم حقهم من الأعظام والثناء مع ماينتحلون.

ہم نے غور کیا تو یہ محدث ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا اور ایسا عقیدہ محدث پر بعید ہے، کیوں کہ ان میں تشیع نادر ہے، اگرچہ تھوڑے افراد میں پایا گیا، پھر ہم نے ان کے استاذ دیکھے جن سے علم لیا تو وہ اکابر اہل سنت اور سخت قسم کے ابوالحسن اشعری کے عقیدہ والے تھے جیسے شیخ ابوبکر بن اسحاق صبغی، استاذ ابوبکر بن فورک، استاذ ابوسہل صعلوکی وغیرہ، انہی کے ساتھ امام حاکم کسی تحقیق کے لیے مجلس کرتے اور دین کے اصولوں وغیرہ میں گفتگو کرتے، پھر ہم نے حاکم کی تاریخ میں غور کیا تو اس میں دیکھا کہ وہ اہل سنت اکابرین کو ان کا حق دیتے ہیں یعنی عظمت کا بیان اور تعریف بمع ان کے عقائد کے (مزید فرماتے ہیں) پھر ہم نے امام ابوالقاسم ابن عساکر کو دیکھا کہ انہوں نے امام حاکم کو ان اشعریوں میں شمار کیا جو اہل تشیع کو بدعتی کہتے اور شیعوں سے اظہار برأت کرتے ہیں، تو ہمیں اس شخص پر لگائی ہوئی تہمت میں شک ہو گیا۔ پھر ہم نے تفصیلات دیکھیں تو ہمیں نظر آیا کہ طعن کرنے والے یہ ذکر کرتے ہیں کہ محمد بن طاہر المقدسی نے ذکر کیا کہ اس نے ابواسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری سے حاکم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا حدیث میں ثقہ ہے اور رافضی خبیث ہے، اور یہ کہ ابن طاہر نے کہا کہ حاکم اندر سے سخت متعصب شیعہ تھا اور

افضلیت اور خلافت کے مسئلہ میں سنی ہونا ظاہر کرتا تھا، اور حضرت معاویہ اور ان کے گھرانے سے غلو کرتے ہوئے منحرف تھا۔ اس کا کھل کر اظہار کرتا اور اس سے کوئی عذر نہ کرتا۔ (مزید لکھتے ہیں:)

استخرتُ الله طويلاً واستهديته التوفيق وقطعتُ القول بأن كلام أبى اسماعيل وابن طاهر لايجوز قبولهٗ فى حق هذا الإمام لمابينهم من مخالفة العقيدة ومايرميان بهٖ من التجسيم اشهرممايرمى به الحاكم من الرفض.

میں نے اللہ تعالی سے بہت استخارہ کیا اور توفیق ہدایت مانگی اور اس بات کو یقینی سمجھ لیا کہ ابواسماعیل اور ابن طاہر کی کلام کو اِس امام کے حق میں قبول کرنا جائز نہیں، کیوں کہ دونوں میں عقیدہ کی مخالفت ہے اور تجسیم کی جو تہمت اِن دو پر ہے وہ امام حاکم پر رفض کی تہمت سے زیادہ مشہور ہے۔

ولـم يبلغنا أن الحاكم ينال من معاوية ولايظن ذلك فيه وغاية ما قيل فيه الإفراط فى ولاء على كرم الله وجههٗ.

اور ہم تک یہ بات (صحیح) نہیں پہنچی کہ امام حاکم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے، اور اس کا ان میں گمان بھی نہیں کیا جاسکتا، زیادہ سے زیادہ ان کے متعلق جو کہا جاسکتا ہے تو یہ کہ ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بہت زیادہ محبت ہے [طبقات الشافعيه الكبرى للسبكى: ۱۶۱/۴، ۱۶۲، ۱۶۳]

معلوم ہوا کہ امام حاکم رحمہ اللہ پر خوامخواہ الزام لگادیا گیا، اور پھر ہر بعد والا بحوالہ ابن طاہر نقل کرتا رہا، حالاں کہ ابن طاہر کے سوا اس کی کوئی سند نہیں۔

امام ذہبی نے بحوالہ ابن طاہر ابواسماعیل عبداللہ انصاری سے نقل کر کے کہ حاکم رافضی خبیث ہے، امام ذہبی فرماتے ہیں:

إن الله يحب الإنصاف ماالرجل برافضى بل شيعى فقط.

[ميزان الاعتدال: ۶۰۸/۳، لسان الميزان: ۲۳۳/۵]

اللہ تعالی انصاف کو پسند کرتا ہے حاکم رافضی آدمی نہیں ہے صرف شیعہ ہے۔

كـلا! ليـس هـو رافـضيًا بل يتشيع، كذا قال شيخ الإسلام الأنصارى ولـم يصب، فإن الحاكم ليس برافضى بل هو شيعى معظم للشيخين بيقين ولذى النورين، وإنماتكلم فى معاوية رضى الله عنه فأوذى. [سيراعلام النبلاء: ۵۷۶/۱۲]

ہرگز نہیں وہ رافضی نہیں ہیں بلکہ تشیع اختیار کرتے ہیں، شیخ الاسلام انصاری نے یہ کہا۔ لیکن ٹھیک نہیں کہا، کیوں کہ حاکم رافضی نہیں بلکہ شیعہ ہے۔ یقیناً شیخین اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کی تعظیم کرتا ہے، بس اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کلام کیا تو اس کو ستایا گیا۔

قاضی طاہر ہاشمی صاحب کہتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ یہاں تو امام ذہبی نے ان کے رافضی ہونے

کی نفی کر دی ہے۔لیکن تلخیص المستدرک میں ایک روایت کے تحت امام ذہبی فرماتے ہیں:

قبح اللـه رافضیًا افتراہ. قاضی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے:......''اس رافضی کا برا ہو، یہ روایت اس نے خود گھڑ لی ہے۔''......حالانکہ یہ ترجمہ بالکل غلط اور جملہ کی ترکیب نحوی کے خلاف ہے، قاضی صاحب کو نحو سے واسطہ ہے تو ذرا سوچیں کہ قاضی صاحب نے قبح الله رافضیًا کو ایک جملہ اور افتراہ کو الگ دوسرا جملہ بنا کر ترجمہ کر دیا اور ترجمہ میں بھی کئی محذوفات مان کر اضافے کر دیئے۔صحیح ترجمہ اس طرح ہے:

''اللہ تعالیٰ اُس رافضی کا برا کرے جس نے اِس کو گھڑا ہے۔''

اب یہ ایک جملہ ہوا اور کوئی محذوف نہیں ماننا پڑا، اس میں رافضیًا موصوف افتـراہُ صفت ہے، موصوف صفت مل کر قبـــح فعل کا مفعول بہ ہے۔قاضی صاحب کا ترجمہ مانیں تو امام حاکم پر ایک الزام نہیں دو الزام لگیں گے اول یہ کہ امام حاکم رافضی ہیں، دوم یہ کہ حدیث گھڑتے ہیں یعنی وضاع بھی ہیں۔حالانکہ کسی نے آج تک ان پر وضع کا الزام نہیں لگایا۔دراصل امام ذہبی فرمانا چاہتے ہیں کہ جس رافضی نے اس کو گھڑا ہو اللہ اس کا برا کرے، نہ یہ کہ امام حاکم رافضی ہے اور اس نے اس کو گھڑا ہے اور اللہ امام حاکم کا برا کرے۔استغفر اللہ

اس پر قاضی صاحب کہتے ہیں کہ: اگر راوی مراد ہو تو اگر گھڑنے والا راوی رافضی بنتا ہے تو اس روایت کو صحیح سمجھنے والا بدرجہ اولیٰ اس لقب کا مستحق ہوگا۔[علمی محاکمہ:۴۵۱]

جواب یہ ہے کہ کسی کا مذہب محض قیاس سے ثابت نہیں ہوتا، اس لیے اس طرح قیاس سے امام حاکم کو رافضی نہیں کہہ سکتے، ممکن ہے کہ ان کے نزدیک روایت کی کوئی صحیح توجیہ ہو مثلاً حضور ﷺ کا مقصود صحابہ یا بالخصوص خلفاء راشدین کے علاوہ باقی امتیوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا افضل عمل والا ہونا بتانا ہو، تو بتایئے پھر کیوں رافضی ٹھہریں گے؟ کیا تاویل ہو سکے تب بھی اور نہ ہو سکے تب بھی بہر حال امام حاکم کو رافضیوں کی جماعت میں ہی شامل کر کے رہنا ہے؟

یہاں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ابن طاہر نے جو امام انصاری سے حاکم کا رافضی خبیث ہونا ذکر کیا ہے تو بیشک ابن طاہر محدث ہیں، اور ان کے استاذ انصاری رحمہ اللہ بھی محدث ہیں، مگر ابن طاہر کے متعلق حافظ ابو الفضل بن ناصر فرماتے ہیں یہ ایسا ہے جس سے حجت نہیں لی جا سکتی، اس نے ایک کتاب لکھی جس میں بے ریش لڑکوں پر بدنظری کو جائز ثابت کرنا چاہا، اور اس میں امام یحییٰ بن معین سے حکایات نقل کیں، اور فرمایا یہ مذہب اباحت رکھتا تھا۔[تاریخ بغداد:۲۴/۲۱] تو اگر واقعی ایسی بات ابن طاہر سے ثابت ہو تو اس کی منقول روایت درست نہیں مانی جا سکتی، امام ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ سے معلوم ہوا کہ ابن طاہر داؤد ظاہری کا مذہب رکھتا تھا اور ظاہریہ کے نزدیک خوبصورت لڑکوں کو دیکھنا (بدنظری) جائز ہے۔اور ابن طاہر بھی ان

میں سے ہونے کی وجہ سے جائز سمجھتا تھا (حالانکہ بدنظری گناہ ہے) اور ذہبی فرماتے ہیں کہ: ابن طاہر کے مذہب اباحت سے اباحت مطلقہ جو زندیقیت ہے مراد نہیں بلکہ صرف سماع جائز قرار دیتا تھا۔ ابن عساکر کہتے ہیں: ابن طاہر کی بکثرت کتابیں ہیں لیکن ابن طاہر کثیر الوہم ہے، اس کے اچھے اشعار ہیں، نحو اچھی طرح نہیں جانتا تھا۔ سلفی کہتے ہیں: فاضل تھا معرفت رکھتا تھا لیکن لحنہ تھا (لحنہ کے دو معنی لغت میں ہیں جس کی غلطی لوگ بکثرت پکڑیں، اور جو لوگوں کی غلطی بہت پکڑے، یہاں قرین قیاس دوسرا معنی معلوم ہوتا ہے [کھپڑ مزاج] مطلب یہ ہوا کہ قاضی طاہر علی صاحب کا ہم مزاج تھا گو وہ ظاہری تھا یہ حنفی ہیں۔) [تذکرۃ الحفاظ: ۲۹/۴] بہر حال مخالفت مذہب وعقیدہ کی وجہ سے امام حاکم پر الزام لگا دیا، اسی کو مذہبی تعصب کہتے ہیں، اور ایسے دو مخالفین کی ایک دوسرے پر جرح مردود ہوتی ہے، اور یہ باتیں کہ حاکم کہتے کہ حضرت علی وصی ہیں، وغیرہ ممکن ہے کہ وہ بھی ایسے راوی کی نقل کردہ ہوں، بے بنیاد ہیں۔

اوپر مذکور امام سبکی کی عبارت سے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی کہ اِن حضرات کا فرقہ مجسمہ سے ہونا مشہور رہے، اور حاکم اہل سنت شافعی ہیں، اِس اختلاف عقیدہ نے اُن کو ایسی باتوں پر مجبور کیا ہوگا، یہ نہیں کہا جا رہا کہ انہوں نے جان کر جھوٹا الزام لگا دیا ہوگا بلکہ ان کے اختلاف کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی غیر نے ایسی غلط فہمیاں ڈال دی ہوں گی، اور غلط فہمی سے آدمی الزام لگا دیتا ہے اور اپنے کو سچا سمجھ رہا ہوتا ہے اور واقع میں بات غلط ہوتی ہے مگر آدمی اس میں معذور ہوتا ہے، ایسا ہی معاملہ یہاں ہوا ہوگا۔

رہا ان کا شیعہ ہونا تو اگر ثابت ہو تو شیعہ ہونا ایسا عیب نہیں جس سے روایات رد ہوں، ورنہ جیسا کہ امام سبکی نے فرمایا انتہائی محبت علی پر مخالفین نے شیعان علی میں سے ہونے کا الزام لگا دیا ہوگا، شاید یہ ایسا ہو جیسے امام نسائی کو اہل دمشق نے شیعہ مشہور کر دیا، حالاں کہ اہل دمشق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض ونفرت تھی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل نہیں سننا چاہتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ہی سننا چاہتے تھے، امام نسائی نے ایسے ہی لوگوں کی غلط فہمی اور بد مذہبی دور کرنے کے لیے کتاب خصائص علی رضی اللہ عنہ لکھی، اور اس میں حدیث طیر بھی تحریر کی، حالاں کہ وہ امام اہل سنت ہیں، ایسے ہی امام حاکم کو سمجھیں، امام حاکم کے دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت بڑھانے والوں نے امام حاکم کی مخالفت کی، اور امام حاکم کی شیعیت سے شہرت انہی کے پروپیگنڈہ کا نتیجہ لگتا ہے، شاید امام نسائی کی طرح ان کا قصد بھی فضائل علی بیان کر کے فضا کی اصلاح ہو، اور مخالفین علی نے کئی دوروں میں کئی لوگوں کو شیعان علی سے شہرت دے دی، جیسے اِن لوگوں نے امام نسائی کو اتنی تکلیف دی کہ آخر اسی تکلیف سے فوت ہو گئے، ایسے لوگ امام حاکم کو ستانے کے درپے ہوئے اور ان کا منبر تک توڑ دیا تھا اور ان کو نکلنے نہیں دیتے تھے، یہ محمد بن کرام کے لوگ تھے جو فرقہ کرامیہ کہلاتے ہیں۔ [البدایہ: ۳۵۵/۱۱، طبقات الشافعیین لابن کثیر] کتاب

مستدرک دیکھیں تو اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق خلفاء راشدین کی ترتیب بیان کی ہے، اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے خلیفة رسول اللهﷺ أبي بكر بن أبي قحافة الصديق رضي الله عنه کہہ کر مناقب شروع کیے، لقب عتیق، صدیق، حضورﷺ کے ساتھ ان کی مناسبت وموافقت، اول مسلم بننا، صحابہ کا سردار، حضورﷺ کا اپنی زندگی میں ان کو امام بنانا، پھر حضورﷺ سے منقول ان کے مناقب بیان کیے، صحابی کے خواب میں ترازو پر حضورﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پھر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا پھر حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کا تولا جانا پھر ترازو کا آسمان پر چلا جانا ذکر ہے جس سے حضورﷺ کے بعد ان کا پھر حضرت عمر کا پھر حضرت عثمان کا خلیفہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ رضی اللہ عنہم۔ بیان کی، حدیث اقتدوا بالذین من بعدی أبي بكر وعمر جو بلا فصل خلافت صدیق وفاروق کی دلیل ہے بیان کی، اور خلافت کے تیس سال ہونے کی حدیث بیان کی (جو قاضی صاحب نہیں مانتے، اس پر آگے تفصیل بیان ہوگی ان شاء اللہ) جس سے چاروں خلفاء راشدین کا برحق خلیفہ ہونا ثابت ہوتا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جنتی ہونا، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا حضورﷺ کو سب سے محبوب ہونا صحابہ رضی اللہ عنہم کا بالاجماع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ماننا اور خلیفہ کہنا بیان کیا، پھر مناقب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کا عنوان قائم کیا، حضورﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ سے مانگنا، ان سے اسلام کا غلبہ ہونا، کمالات نبوت کا کچھ حصہ ملنا (لو کان بعدی نبی لکان عمر) ملہم من اللہ ہونا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان وقلب پر حق وارد ہونا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد) سب سے افضل ہونا (ما طلعت الشمس علی رجل خیرمن عمر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنے میں صحیح الرائے ہونا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت بیان کی، پھر فضائل امیر المؤمنین ذی النورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا عنوان قائم کیا، اس میں پہلے پہل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہونے میں بے قصور ہونا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل، ام المؤمنین کی حدیث جس میں مسجد کی بنیاد رکھنے میں اول نبی کریمﷺ نے پھر حضرت ابوبکر پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم نے پتھر اٹھایا اور حضورﷺ نے فرمایا عائشہ! یہ میرے بعد خلفاء ہوں گے (کیا یہ اہل سنت کا عقیدہ نہیں؟) عثمان رضی اللہ عنہ کا جنتی ہونا، فتنہ واختلاف میں ان کا حق پر ہونا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھنے والوں اور خلافت چھوڑنے کا کہنے والوں کا منافقین ہونا، حضورﷺ کا ان سے خوش ہو کر دنیا سے جانا، پھر ان کی شہادت اور اس کے بعض اسباب بیان کیے، اسی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بزبان علی رضی اللہ عنہ دامادِ نبی ہونا، آخر میں پھر جنتی ہونا بیان کیا، پھر مناقب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا عنوان دیا، ان کے والدین کے حالات، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب،

حضور ﷺ کا غدیر خم کے موقع پر من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمانا، اہل بیت کی عظمت (جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کا اہل بیت میں شامل ہونا ثابت ہے۔) ان کا اسلام لانا، مزید مناقب، پھر جنگ جمل وصفین میں ان کا حق کے زیادہ قریب ہونا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کی وعید، روافض جو حب علی میں بڑھے، خوارج جو بغض علی میں بڑھ گئے ان کے خلاف حضور ﷺ کا ارشاد کہ یہ دونوں ہلاک ہوں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض خصوصیات، ان سے محبت لازم ہونا، ان کا جنتی شہید ہونا، اہل فتن سے قتال، ان کے قاتل کا اشقیٰ ہونا، میرے بعد امت آپ سے عہد شکنی کرے گی، شہادت خلافت تیس سال ہونا، شیعہ کے عقیدہ رجعت وغیرہ کا رد وغیرہ، یہ سب امام حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے، کیا اس کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ وہ بایں معنیٰ شیعہ تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلفاء ثلاثہ یا ان میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے؟ جب مستدرک میں ان کا ظاہر یہ ہے تو باطن میں شیعہ کیسے کہے جا سکتے ہیں؟

قاضی طاہر علی صاحب کے ذہن میں ابن طاہر سے منقول یہ بات بیٹھ گئی کہ جی وہ باطن میں شیعہ تھے، ظاہر میں سنی ہونا ظاہر کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ابو اسماعیل یا ابن طاہر علیم بذات الصدور بن گئے تھے؟ کیا قاضی صاحب ان کو اسی صفت سے موصوف مان چکے ہیں کہ جی انہوں نے جو کہہ دیا کہ باطن میں شیعہ تھے تو واقعی شیعہ تھے؟

امام عبدالوہاب سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثم انیٰ لہ اطلاع علی باطن الحاکم حتی یقضی بانہ کان یتعصب للشیعة باطناً. [طبقات الشافعیہ الکبریٰ :۱۶۴/۴] پھر ابن طاہر کو امام حاکم کے باطن پر کہاں سے اطلاع ہوگئی کہ فیصلہ دیتا ہے کہ امام حاکم باطن میں متعصب شیعہ تھے۔

لہٰذا قاضی صاحب دماغ میں گھسے ہوئے شیطانی وساوس کو دور کریں، ورنہ ہوں تو ادھر توجہ نہ کریں کہ یہی وساوس کا علاج ہے۔

امام حاکم کی بیان کی ہوئی بعض حدیثوں کی تحقیق:

قاضی طاہر علی صاحب بعض روایات کی بناء پر بھی امام حاکم کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا ذکر بھی ضروری ہے، اور کچھ نہیں تو علمی فائدہ تو ضرور حاصل ہوگا۔

حدیث طیر:

ایک حدیث طیر ہے جس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کو صحیح ماننے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شیخین سے مقدم ہونا لازم آتا ہے، لہٰذا ہم حدیث طیر کا انکار کرتے ہیں تاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شیخین پر افضلیت ثابت نہ ہو جائے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ.

حدیث طیر کا مضمون یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں بھنے ہوئے پرندہ کا گوشت لایا گیا تو آپ نے دعا کی اے اللہ! جو مخلوق میں سے تجھے بہت محبوب ہوا ایسا شخص میرے پاس لے آ، وہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے،۔۔۔تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے ۔۔۔الخ [مستدرک ۳/۳۴۳،۳۴۴]

سوال یہ ہے کہ اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے افضل ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے؟ صرف اس سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ أحب الخلق إلى الله ہوئے، اور خلق میں حضرات شیخین بھی ہیں تو شیخین سے بھی احب (زیادہ محبوب) ہوئے لہٰذا افضل ہو گئے؟ ہرگز نہیں، حدیث کی ایسی تاویل کرنی چاہئے جس سے دوسری نصوص کے معارض نہ رہے، اپنی عقل سے کچھ سمجھ کر حدیث کو دوسری حدیث سے معارض ٹھہرا لیا یہ تو اپنی عقل کو معیار بنانا ہے، ہماری ناقص عقل ہرگز معیار نہیں ہے۔تو اب تاویل کیا ہو سکتی ہے؟ علامہ سید علی بن سلیمان شاذلی رحمہ اللہ حاشیہ ترمذی نفع قوت المغتذی میں اور ملا علی قاری مرقات میں امام تورپشتی سے نقل فرماتے ہیں:

قال التوريشتي بأحب خلقك أي من هو من أحب خلقك إليك فيشاركهٗ غيره وهم المفضلون بإجماع الأمة فهو كقولهٖ عمرُ أفضل الناس وأعقلهم أي من أفضلهم وأعقلهم ومما يبين لك إن حمله على العموم ممنوع أنه ﷺ من جملة خلق الله ولايجوز أن يكون أحب إليه منه فيراد بهٖ أحب خلقهٖ من قرابتهٖ وقد كان ﷺ يطلق القول ويريد تقييدهٗ ويعم بهٖ ويريد تخصيصه فيعرفه ذو الفهم بالنظر لحال أو وقت أو امر هو فيه.

[حواشی ترمذی :۲/۲۱۵ طبع فاروقی کتب خانہ ملتان، مرقات ۱۱/۲۵۰ طبع مکتبہ رشیدیہ]

امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بأحب خلقك" کا معنی ہے: "مَن هو مِن أحب خلقك" جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو یعنی لوگوں میں سے تیرے بہت محبوب بندوں میں سے ایک ہو، اب أحب الخلق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسرے بھی شریک ہوں گے یعنی وہ جن کو باجماع امت فضیلت حاصل ہے، تو یہ فرمان نبوی ایسے ہے جیسے آدمی کا قول "عمر أفضل الناس وأعقلهم." عمر سب لوگوں سے افضل اور سب سے زیادہ عقل والا ہے یعنی سب سے افضل اور سب سے سمجھدار (دوسرے جو لوگ ہیں ان) لوگوں میں سے ایک ہے، اور جو بات تیرے سامنے یہ واضح کرے گی کہ اس کو عموم پر محمول کرنا ممنوع ہے یہ ہے کہ حضور ﷺ خود بھی تو مخلوق میں سے ہیں، اور یہ درست نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کو حضور ﷺ سے زیادہ محبوب ہوں، لہٰذا اس سے حضور ﷺ کے رشتہ داروں میں سے اللہ تعالی کو زیادہ محبوب شخص مراد ہوگا، اور حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ مطلق بات بولتے اور مراد آپ کی مقید کرنا ہوتا اور عام بات بولتے اور مراد تخصیص ہوتی تھی جس کو سمجھ والا حالت یا وقت یا صورت جس میں آپ ہوتے دیکھ کو سمجھ جاتا تھا۔

دوسری تاویل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسم تفضیل قرآن مجید میں اوراحادیث میں بارہا اسم فاعل اوراسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے،مثلاً ھو اعلم بکم اذ انشأکم من الارض واذ انتم اجنةٌ فی بطون امھاتکم. اللہ تعالیٰ تم کو زیادہ جانتا تھاجب تم کو پیدا کیا زمین سے اور جب تم ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے(تب بھی زیادہ جانتا تھا)یہاں **أعلم** اسم تفضیل ہے جیسے حدیث طیر میں **اَحَبِّ** اسم تفضیل ہے،اسم تفضیل میں دوسرے کی بہ نسبت زیادتی کا معنی ہوتا ہے،تو آیت کا مطلب یہ ہوگا تمہاری زمین سے پیدائش کے وقت اور ماؤں کے پیٹوں میں رہائش کے وقت اللہ تعالیٰ تمہیں دوسروں سے زیادہ جانتا تھا یعنی دوسرے بھی کچھ جانتے ہیں مگراللہ تعالیٰ کے علم سے کم اوراللہ جانتا تھا دوسروں کے علم سے زیادہ،حالاں کہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا،تو آیت میں **اَعْلَمُ** بمعنی **عَالِمٌ** ہے،ایسے ہی حدیث طیر میں اسم تفضیل **اَحَبُّ** اپنے معنی میں نہیں ہے،کہ مطلب یہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسرے سب کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں،اور دوسرے محبوب تو ہیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کم،بلکہ **اَحَبُّ** بمعنی اسم مفعول ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں لیکن دوسروں کے مقابلہ میں نہیں بلکہ اپنی ذات کے اعتبار سے،یعنی دوسرے بھی محبوب ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی محبوب ہیں گو حضرت ابوبکر وعمر وغیرہم رضی اللہ عنہم اُن سے زیادہ محبوب اور افضل ہوں۔[ھذا التوجیه من عندی ملهَم من الله]

لیجیے!اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شیخین پر تقدیم کا مفہوم ہی ختم ہوگیا،تو اگر کوئی اس حدیث کو صحیح کہہ دے وہ شیعہ بمعنی شیخین رضی اللہ عنہما پر علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینے والا کیوں ٹھہرے گا؟

اب رہا یہ اشکال کہ خود امام حاکم پہلے کہتے تھے کہ یہ حدیث صحیح نہیں،اگر صحیح ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی افضل نہ ہو،حالانکہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ان سے افضل ہیں لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں تو حدیث کا یہی مفہوم ''تفضیل علی علی الشیخین ''امام حاکم نے سمجھا،بعد میں ان کی رائے بدلی (اور سمجھے کہ حضرت علی شیخین سے افضل ہیں،رضی اللہ عنہم)تو حدیث طیر کو مستدرک میں ذکر کردیا(تو حاکم شیعہ بمعنی شیخین رضی اللہ عنہما پر علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینے والا ہوا)

جواب یہ ہے کہ امام ذہبی نے جو رائے اور اس کی تبدیلی ذکر کی ہے،تو اول تو امام ذہبی کو ان کی رائے اور رائے کی تبدیلی یقینی معلوم نہیں ہے،محض اندازہ اور گمان ہے کیوں کہ ذہبی تاریخ الاسلام [۲۸: ۱۲۷]میں لفظ بولتے ہیں: فلعله تغیررأیه. شاید ان کی رائے تبدیل ہوگئی،تو یہ محض گمان ہوا اور کیا محض گمان سے کسی پر حکم لگ سکتا ہے؟یہ تو ان یتبعون الاالظن وان الظن لایغنی من الحق شیئا کا مصداق ہوا۔پھر اگر بالفرض گمان صحیح ہو تو اس سے مراد یہ رائے نہیں کہ شیخین رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل

ہیں بلکہ اس سے مراد حدیث طیر کی صحت وضعف کی رائے ہے یعنی پہلے اس حدیث کی سند صحیح نہیں سمجھتے تھے پھر رائے تبدیل ہوگئی اور حدیث کو صحیح سمجھے تو مستدرک میں درج کر دیا حالانکہ پہلی رائے درست تھی، اور اگر رائے سے تفضیل علی والی رائے بھی ہو تو بھی بغیر ثبوت محض گمان سے تشیع کا الزام ثابت ہوسکتا ہے جب کہ امام حاکم کا ظاہر اس کے بالکل خلاف ہے؟

حدیث طیر کی پوزیشن:

پھر حدیث طیر کی حیثیت کیا ہے، آیا ثابت ہے یا نہ؟ اس حدیث کو کئی محدثین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، امام ترمذی نے سنن میں، طبرانی نے معجم اوسط وکبیر میں، نسائی نے سنن کبریٰ وخصائص علی میں، امام ابن شاہین نے شرح مذاہب اہل السنۃ میں، امام ابونعیم اصفہانی نے فضائل الخلفاء الراشدین اور حلیۃ الأولیاء میں، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں درج کی ہے، تو اگر امام حاکم کا درج کرنا جرم ہے تو یہی جرم دوسرے محدثین کا ہے، اور اگر یہ حدیث ذکر کرنے سے امام حاکم شیعہ بنتے اور ثابت ہوتے ہیں تو دوسرے محدثین بھی شیعہ ثابت ہوتے ہیں، اور اگر دوسرے محدثین نے جرم نہیں کیا تو امام حاکم نے بھی جرم نہیں کیا۔

امام صلاح الدین ابوسعید خلیل بن کیکلدی بن عبداللہ دمشقی علائی (م ۷۶۱ھ) نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں مصابیح السنۃ میں مذکور بعض احادیث پر ہونے والے طعن کے جوابات دیئے ہیں، چوں کہ مصابیح السنۃ میں حدیث طیر بھی ہے [۴۵۱/۲ رقم ۴۷۸۵] اس لیے اس پر بھی بحث فرمائی، فرماتے ہیں:

وله طرق كثيرة غالبها واه، وفى بعضها مايعتبربه فيقوى أحد السندين بالآخر، وامثل مـاورد به طريقان، أحدهما مارواه الترمذى من جهة عبيدالله بن موسىٰ أحد المتفق عليهم عن عيسى بن عمروقد وثقه يحيى بن معين وغيره ولم يضعفه أحد عن إسماعيل بن عبدالرحمن السدى، وقداحتج به مسلم والناس عن أنس رضى الله عنه قال كان عندالنبىﷺ طير، فقال اللهم ائتنى بأحب خلقك يأكل معى من هذا الطير، فجاء على رضى الله عنه فأكل، وقال الترمذى: هذاحديث غريب لانعرفهٗ من حديث السدى إلامن هذا الوجه، والسدى اسمهٗ إسماعيل بن عبدالرحمن وقدسمع من أنس ورأى الحسن بن على رضى الله عنهما،ورواه النسائى فى خصائص على رضى الله عنه من حديث مسهربن عبدالملك عن عيسىٰ بن عمر ومسهر قد وثقه ابن حبان وغيره، وقال فيه النسائى ليس بالقوى، والطريق الثانى رواه الحاكم فى المستدرك من رواية محمد بن أحمد بن عياض انبأ أبى ثنا يحيى بن حسان عن سليمان بن بلال عن يحيى بن سعيدعن أنس رضى الله عنه اطول مماتقدم، ورجال هذا السندكلهم معروفون سوى أحمد بن عياض فلم أرمن ذكره بتوثيق ولاجرح، وذكرالحاكم أى لهٗ عن

أنس رواه كثيرون وأنه أيضاًمن حديث علي وأبي سعيد وسفينة رضي الله عنه بطرق صحيحة ولم يسبق أسانيدها، وقد انتقد عليه ذلك ،وفي مقابلته ذكرا الحافظ محمدبن طاهر وأبوالفرج بن الجوزي ان جميع طرق هذا الحديث ضعيفة واهية وكل من الطرفين (علماء) والحق أنه ربمايننتهي إلى درجة الحسن أويكون ضعيفًا يحتمل ضعفهٗ، و اما أن ينتهي إلى كونه موضوعًا في جميع طرقه فلا.[النقدالصحيح لمااعترض من احاديث المصابيح ۵۷]

اورحدیث طیر کی بہت سی سندیں ہیں اکثر واہی ہیں،اوربعض میں ایسی بات ہے جس سے اعتبار کیا جاسکتا ہے تو ایک سند دوسری کے ذریعہ قوی ہوجائے گی،اوراس حدیث کی سب سے اچھی دوسندیں ہیں:

۱)......ایک وہ ہے جو ترمذی نے عبیداللہ بن موسیٰ کے طریق سے روایت کی ہے عبیداللہ ان راویوں میں سے ایک ہے جس پر اتفاق کیا گیا ہے،عبیداللہ نے عیسیٰ بن عمر سے روایت کی اورعیسیٰ کو یحییٰ بن معین وغیرہ نے ثقہ کہا،اورکسی نے ضعیف نہیں قرار دیا،عیسیٰ نے اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی سے اورسدی سے امام مسلم اوردوسرے محدثین نے حجت پکڑی ہے،سدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ کے پاس پرندے تھے،تو دعا کی اے اللہ! میرے پاس ایسا آدمی لے آ جو تجھے لوگوں میں سے بہت محبوب ہو جو میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے،تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اورکھایا،امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے ہم کو سدی کی روایت سے صرف اسی سند سے معلوم ہوئی،سدی کا نام اسماعیل بن عبدالرحمٰن ہے،اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث کا سماع کیا ہے،اورحضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے،اوراس کو امام نسائی نے خصائص علی رضی اللہ عنہ میں مسہر بن عبدالملک سے **عن عیسی بن عمر** روایت کیا ہے،اورمسہر کو ابن حبان وغیرہ نے ثقہ کہا ہے،اورنسائی نے فرمایا کہ قوی نہیں ہے۔

۲)......اوردوسری سند وہ ہے جس کو امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ محمد بن احمد بن عیاض نے کہا مجھے میرے والد نے بیان کی احمد نے کہا ہمیں یحییٰ بن حسان نے سلیمان بن بلال سے انہوں نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے گذشتہ روایت سے لمبی روایت بیان کی، اوراس روایت کے سب راوی مشہور ہیں سوائے احمد بن عیاض کے،اوراحمد کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے جرح یا تعدیل کی صورت میں ان کا ذکر کیا ہو،اورامام حاکم نے ذکر کیا کہ اس روایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت سے راویوں نے روایت کیا ہے،اوریہ کہ یہ روایت حضرت علی،ابوسعید خدری اورسفینہ رضی اللہ عنہم سے بھی صحیح سندوں سے مروی ہے،لیکن حاکم نے ان کی سندیں نہیں بیان کیں اوراس کلام پر حاکم پر تنقید کی گئی ہے،اوران کے مقابلہ میں حافظ محمد بن طاہر اورابوالفرج ابن جوزی نے کہا کہ اس روایت کی سب

سندیں ضعیف اور واہی ہیں، اور ہر طرف علماء ہیں، اور حق یہ ہے کہ یہ روایت کبھی درجہ حسن تک پہنچ سکتی ہے، یا ایسی ضعیف ہوسکتی ہے جس کا ضعف برداشت ہوسکتا ہے، لیکن موضوع ہونے تک پہنچ سکے ایسا نہیں ہے۔

علامہ ذہبی بھی فرماتے ہیں:

وأما حديث الطير فله طرق كثيرة جداً قد أفردتها بمصنف و مجموعها هو يوجب أن يكون الحديث له أصل. [تذكرة الحفاظ: ۱۶۴/۳] رہی حدیث طیر! تو اس کی بہت ہی زیادہ سندیں ہیں جن کو میں نے مستقل کتاب میں جمع کیا ہے، ان سندوں کا مجموعہ ثابت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہو۔ (جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

مسئلہ وحدۃ الوجود اور آلِ غیر مقلدیت

قسط نمبر ۱۳

زبیر علی زئی:

ابن عربی[۳۶۸] نے کسی سے مخاطب ہو کر کہا:

”پس تو بندہ ہے اور تو رب ہے۔[فصوص الحکم[۳۶۹]:۷۷، کلمہ اسماعیلیہ، الحدیث:۴۹ص ۱۴]

ابن عربی الحاتمی المرسی الصوفی[۳۷۰] (م ۶۳۸) نے مزید کہا:

الــرب[۳۷۱] حــق والــعبــد حــق يــاليــت شــعــری مــن الــمكلف
ان قــلـــت عبــد فــذاك ميّــت او قــلـــت ربّ أنـــی يــكــلّف

رب حق ہے اور بندہ حق ہے، کاش مجھے شعور ہوتا کہ کون مکلّف ہے؟

اگر میں کہوں: بندہ ہے تو وہ مُردہ ہے اور (اگر) کہوں: رب ہے، تو وہ کس طرح مکلّف ہو سکتا ہے[۳۷۲]؟[الفتوحات المکیہ:۱/۱۵]

اس قسم کے خطرناک عقائد[۳۷۳] کی وجہ سے قاضی صدر الدین علی بن ابی العز الحنفی[۳۷۴] رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۲ھ) نے فرمایا:

”ولكن ابن عربی وامثاله منافقون، زنادقة اتحادية فی الدرك الاسفل من النار ....“ اور لیکن ابن عربی اور ان جیسے لوگ زندیق منافق اتحادی ہیں، وہ آگ کے نچلے حصے میں ہوں گے[۳۷۵]۔ [شرح عقیدہ طحاویہ مع تحقیق الالبانی:۵۵۷]

حافظ ذہبی نے فرمایا: صاحب فصوص الحكم ،من طالع كتابه عرف انحرافه وضلاله ”فصوص الحکم والا، جس نے اس کی کتاب کا مطالعہ کیا تو وہ اس کا (سیدھے راستے سے) انحراف اور گمراہی[۳۷۶] جان لے گا۔[المغنی فی الضعفاء:۲/۳۵۲ت ۵۸۴۴]

ملا علی قاری حنفی نے کہا: پھر اگر تم سچے مسلمان اور پکے مومن ہو تو ابن عربی کی جماعت کے کفر میں شک نہ کرو اور اس گمراہ اور بے وقوف اکھڑ کی گمراہی میں توقف نہ کرو[۳۷۷]۔

[الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود:۵۵، الحدیث ۴۹ص:۲۰]

شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی رحمہ اللہ (متوفی ۸۰۵ھ) وغیرہ کے اقوال

ماہنامہ الحدیث (عدد۴۹) میں باحوالہ موجود ہیں۔ ۳۷۸

الجواب:

۳۶۸

علی زئی صاحب نے ابنِ عربی کی مذکورہ عبارات ذکر کیں، پھراس پر علماء کے تبصروں کو نقل کر کے آخر میں لکھا:

''یہ ظاہر ہے کہ حافظ ابنِ تیمیہ، حافظ ذہبی، حافظ ابنِ حجر عسقلانی، شیخ الاسلام بلقینی، علامہ ابن ابی العز الحنفی اور ملا علی قاری وغیرھم (متقدمین) کے مقابلے میں چودھویں صدی ہجری کے وحید الزمان (غیر اہلِ حدیث) اور میاں نذیر حسین دہلوی، ثناء اللہ امرتسری اور نواب صدیق حسن وغیرھم کے اقوال کی اہلِ حدیث کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے۔''

یہ عبارت آگے متن میں آئے گی ان شاء اللہ۔

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ علی زئی صاحب نے ابنِ عربی کے عقائد پر بحث کرتے ہوئے بزعمِ خود علمائے محدثین کو غیر مقلدین پر ترجیح دی ہے۔ اس عبارت سے مقصود دیوبندیوں پر الزام اور ان سے جواب حاصل کرنا نہیں۔ اس لیے اوپر متن میں مذکور ابنِ عربی کی عبارت کا جواب دینا غیر مقلدین پر لازم آتا ہے۔ مگر چونکہ یہ عبارت میرے خلاف لکھے گئے مضمون کا حصہ ہے اس لیے اس کا جواب عرض کرتا ہوں و باللہ التوفیق.

۳۶۹

علی زئی صاحب نے یہ عبارت ''فصوص الحکم'' کے حوالہ سے لکھی ہے۔

(الف)......''فصوص الحکم'' کتاب غیر مقلدین کی تصریح کے مطابق منسوخ ہے۔

چنانچہ امام خان نوشہروی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''علامہ شمس الحق ڈیانوی نے بھی کئی روز شیخ اکبر پر آپ کے ساتھ مناظرہ کیا، اور دورانِ گفتگو میں ''فصوص الحکم'' پیش کرتے رہے، میاں (نذیر حسین دہلوی) صاحب نے پہلے تو اور طریقوں سے سمجھایا مگر جب دیکھا کہ آپ کسی طرح نہیں مانتے تو فرمایا کہ ''فتوحاتِ مکیہ'' شیخ اکبر کی آخری تصنیف ہونے کی وجہ سے ان کی تمام کتابوں کی ناسخ ہے۔ اس پر مولانا شمس الحق حقیقت کو پا کر خاموش ہو گئے۔''

[تراجم علمائے حدیث ہند:۱۴۶]

مذکورہ عبارت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ میاں صاحب کی سوانح ''الحیات بعد الممات: ۲۲۵'' پر بھی ہے۔

میاں صاحب نے فصوص الحکم کو منسوخ کہا، ڈیانوی صاحب نے اس کے منسوخ ہونے کو تسلیم کیا اور نوشہروی صاحب نے اس کی منسوخیت کو ''حقیقت'' کا نام دے کر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

غیر مقلدین کی اس تثلیث کے ہاں ''فصوص الحکم'' منسوخ ہے۔ گویا ان کا اس سے رجوع ہے۔ اور علی زئی صاحب کے نزدیک رجوع شدہ عبارت پر اعتراض کرنا ''پروپیگنڈا'' کہلاتا ہے۔

(ب)......غیر مقلدین کے ''مسلّم پیشوا'' شوکانی صاحب کہتے ہیں:

''فصوص'' میں شیخ کے کلام کو صحیح معنی ومحمل پر محمول کیا جا سکتا ہے۔'' [ہدیۃ المہدی: ۱/۵۰]

(ج)......علی زئی صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ ابنِ عربی نے عبد کو رب کہا ہے۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ قرآن میں ''انه ربی احسن مثوای'' پڑھتے اور پھر کتابوں میں اس کی تفسیر دیکھ لیتے۔

غیر مقلدین نے ''اشرف الحواشی المعروف الفوائد السّلفیۃ'' سے قرآن کی مختصر تفسیر شائع کی ہے۔ اس میں مذکورہ آیت کا ترجمہ یوں کیا گیا:

''وہ تو (جس نے مجھے خریدا) میرا مالک ہے۔''

انـــه کی ضمیر کا مرجع خریدار یعنی بندہ کو قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے کہا: کہ مجھے خریدنے والا میرا مالک میرا رب ہے۔

ابنِ عربی کی عبارت پر اعتراض کرنے والے علی زئی صاحب کے ہم خیال فرمائیں کہ ان کے مترجم نے عبد/انسان کو سیدنا یوسف علیہ السلام کا ''رب'' تسلیم کیا تو ان کے بارے میں کیا فتویٰ لگاؤ گے؟

انہی تفسیری حواشی میں صاحبِ حاشیہ نے اگر چہ انه کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کو قرار دیا مگر اتنا تسلیم کیا کہ:

''اکثر مترجمین اور اصحابِ تفسیرؒ نے یہی مفہوم مراد لیا کہ '' ربـــی '' سے مراد عزیز مصر ہے۔ سدیؒ اور مجاہد سے یہی منقول ہے۔'' [فوائد سلفیہ: ۲۸۶]

قرآن کے اکثر مترجمین اور اکثر مفسرین کے بقول سیدنا یوسف علیہ السلام نے عزیزِ مصر یعنی عبد/بندہ کو اپنا رب کہا۔ تو ان مترجمین اور مفسرین کی اکثریت کے متعلق کیا فرمائیں گے؟ کیا یہ سب وحدۃ الجودی ہیں؟

عرض ہے کہ رب کا معنی پرورش کرنے والا ہے۔ اصل پرورش کرنے والا تو اللہ ہی ہے مگر مجازی طور پر عزیز مصر کو رب کہا گیا کیونکہ ان کے ہاں سیدنا یوسف علیہ السلام کی پرورش ہو رہی تھی۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''انہ ای الذی اشترانی ربی سیدی'' بے شک وہ جس نے مجھے خریدا وہ میرا رب یعنی میرا سردار ہے۔[تفسیر جلالین:۱۹۱]

سیوطی صاحب وہ شخصیت ہیں جنہیں علی زئی صاحب نے اعلانیہ ''غیر مقلد'' کہا ہے۔
[علمی مقالات ۵/۲۹۰،۳۲۲]

ان کے مزعومہ ''غیر مقلد'' نے بھی عزیزِ مصر کو سیدنا یوسف علیہ السلام کا ''رب'' قرار دیا اور پھر رب کا معنی سردار کیا۔

غیر مقلدین جو تاویل اپنے مترجم، سیوطی اور جمہور مترجمین و مفسرین کے بارے میں کریں گے وہی تاویل ابنِ عربی کے بارے میں کرلیں۔

۳۷۰

علی زئی صاحب نے ابنِ عربی کو ''صوفی'' کہا ہے۔اور صوفیاء غیر مقلدین کے نزدیک تارکِ تقلید ہیں۔

چنانچہ ابوالاشبال شاغف بہاری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ترکِ تقلید صوفیوں کا مسلّمہ اصول ہے۔''[مقالاتِ شاغف:۲۶۵]

رئیس محمد ندوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''نقشبندی صوفیاء تقلید پرست نہیں اہلِ حدیث تھے۔''[ضمیر کا بُحران:۲۲۵]

اس پر مستزاد یہ کہ بہت سے غیر مقلدین نے ابنِ عربی کو ''اہلِ حدیث'' کہا ہے۔چند حوالے حاضر خدمت ہیں۔

ابوالحسن سیالکوٹی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''امام محی الدین ابن عربی صاحبِ فتوحات، آپ بھی مجتہد تھے اور اتباع حدیث اور ترکِ تقلید میں بے نظیر تھے، اور علمِ حدیث کے ایسے دریا تھے جس کا کنارہ نہ ہو اور قیاس کے ایسے منکر جس کا کچھ بیان نہیں ہوسکتا۔''[الظفر المبین:۲/۴۷۲ بحوالہ المھندالدیوبندی:۸۷]

امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان صاحب، ابنِ عربی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وہ تو مسلمان اور پھر اہلِ حدیث میں سے تھے۔''[تیسیر الباری:۴/۳۲۶]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ترجمہ: اگر یہ لوگ فتوحاتِ مکیہ کو دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ بلاشبہ شیخ (ابنِ عربی) رحمہ اللہ اصول وفروع میں اہل حدیث ہیں اور اربابِ تقلید پر سخت رد کرنے والوں میں سے ہیں۔

[ہدیۃ المہدی: ۱/۵۱]

وحید الزمان صاحب نے ابنِ عربی کو ''پیشوا علمائے اہلِ حدیث'' بھی کہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مقام پر علامہ ابنِ تیمیہ اور ابنِ قیم وغیرہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا:

''ہمارے پیشوا علمائے اہلِ حدیث ان کے سوا اور بہت گزرے ہیں، جیسے امام ابنِ حزم ظاہری، حافظ ابنِ حجر عسقلانی، امام داؤد ظاہری، اسحٰق بن راہویہ، امام بخاری، شیخ جلال الدین سیوطی، امام نووی، امام سخاوی، محمد بن اسمٰعیل امیر، شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرھم۔ اگر ہم دلائل میں غور کر کے کسی مسئلہ میں ان بزرگوں میں سے کسی بزرگ کے ساتھ اتفاق کر لیں تو کون سا گناہ لازم آیا اور کیوں قابلِ ملامت ٹھہرے، **لاحول ولا قوة الا بالله**۔'' [لغات الحدیث: ۲/۱۲، ص]

علی زئی صاحب کے استاد بدیع الدین راشدی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''چوتھی صدی کے بعد کئی ایسے علماء صلحاء محدثین مفسرین اور فقہاء ہیں جو خالص اہل حدیث و مجتہد تھے اور کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے مثلاً....محی الدین ابن عربی الحاتمی صاحب الفتوحات المکیۃ''

[تنقیدِ سدید: ۳۰۲]

رئیس محمد ندوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ابنِ عربی تقلید کے بہت زیادہ مخالف اور ظاہری یعنی اہلِ حدیث مذہب کے فروع میں پیرو تھے اور موصوف فروع میں ظاہری المذہب ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے صوفی بلکہ صوفیاء کے بڑے اماموں میں سے تھے اور اکابر صوفیاء کسی تقلیدی مذہب کے پیرو نہ فروع میں ہوتے ہیں نہ اصول عقائد میں۔''

[ضمیر کا بُحران: ۲۲۴]

۳۷۱

علی زئی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ابن عربی خالق ومخلوق میں فرق کے قائل نہیں مگر یہاں ان کی جو عبارت ''الربّ حق والعبد حق'' نقل کی ہے۔ اس میں صراحۃً خالق ومخلوق دونوں کو الگ الگ تسلیم کیا ہے کہ رب کی ذات کا وجود حق ہے اور عبد/انسان کا وجود بھی ثابت ہے۔ بحث ابنِ عربی کے نظریہ ''وحدۃ الوجود'' کی چلی آرہی ہے اور مذکورہ عبارت میں علی زئی کی مزعومہ وحدۃ الوجود کا بیان نہیں۔

یہاں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ابنِ عربی نے عبد کو ''مُردہ'' کہا ہے۔ اس کا جواب

آگے حاشیہ:۳۷۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۷۲

یہ کہنا کہ رب مکلّف نہیں ہوسکتا،اُمید ہے کہ اس جملہ پر تو غیر مقلدین کو کوئی اشکال نہیں ہوگا۔باقی رہا ان کی طرف سے عبد کو ''مُر دہ'' کہنا،اس کا جواب حاضرِ خدمت ہے۔

(الف)......غیر مقلدین کو اعتراف ہے کہ ابنِ عربی کی کتابوں میں مخالفین نے تحریف کردی تھی۔

چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل اور ان کے مذہبی ہیرو میاں نذیر حسین دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

''عوام کو گمراہ کرنے کے لیے معتبر لوگوں کی کتابوں میں اپنی طرف سے عبارتیں شامل کی گئیں، چنانچہ شیخ اکبر(ابنِ عربی)اور علامہ ابن عبدالوہاب شعرانی کی بعض کتابوں میں ایسی عبارتیں پائی جاتی ہیں، ''درر''اور تنبیه الغبی''میں لکھا ہے کہ وہ عبارتیں بعض یہودیوں نے ان کتابوں میں شامل کی تھیں۔''

[فتاویٰ نذیریہ:۱/۱۵۰]

یہی عبارت فتاویٰ علمائے حدیث[۹/۲۰۱]پر بھی موجود ہے۔

امام آلِ غیر مقلدیت وحیدالزمان صاحب،ابنِ عربی کی طرف منسوب ایک قول کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ظنِ غالب ہے کہ یہ کسی کا الحاق اور تصرف ہے،اور ایسے الحاقات اور تصرفات بے دینوں نے بزرگوں کی کتابوں میں بہت کیے ہیں۔''[لغات الحدیث:۱/۶۷،ج]

جب یہ اعتراف آلِ غیر مقلدیت ابنِ عربی کی کتابوں میں بعد میں یہودی وغیرہ بے دین لوگوں نے ردوبدل کیا اور اپنی طرف سے عبارتیں شامل کی ہیں تو اعتراض سے پہلے متعلقہ عبارت کا تحریف والحاق سے پاک ہونا ثابت کریں۔

(ب)......نواب صدیق حسن خان غیر مقلد کے شعر''ابنِ قیم مددی قاضی شوکانی مددی''کے متعلق کسی نے سوال کیا کہ یہ جائز ہے؟

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام ثناءاللہ امرتسری صاحب نے اس کا یوں جواب دیا:

''مذہبی اصطلاح میں جائز نہیں شاعرانہ اصطلاح کے ہم ذمہ دار نہیں۔''[فتاویٰ ثنائیہ:۱/۱۴۷]

آپ لوگ شاعرانہ انداز میں کہی گئی بات کے ذمہ دار نہیں تو عرض ہے کہ ابنِ عربی کی زیرِ بحث عبارت بھی شاعرانہ ہے اس لیے غیر مقلدین کو ان پر اعتراض کا حق نہیں۔

رئیس محمد ندوی صاحب غیر مقلد،نواب صاحب کے اشعار''قاضی شوکانی مددے''وغیرہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''شاعرانہ کلام سے لوگ واقف ہیں کہ اس کا ظاہری معنیٰ کچھ اور،حقیقی معنیٰ کچھ اور ہوتا ہے''[سلفی

تحقیقی جائزہ:۹۰۵]

اس عبارت کے پیشِ نظر ہم بھی کہتے ہیں کہ ابنِ عربی کا کلام شاعرانہ ہے اس لیے اس کے ظاہری مطلب کی بجائے باطنی مطلب کی طرف توجہ کریں اور باطنی مطلب کے متعلق درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

مجددِ آلِ غیر مقلدیت نواب صدیق حسن خان ابنِ عربی کے تذکرہ میں امام یافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابنِ عربی کی طرف منسوب قابلِ اعتراض باتوں کی تین توجیہات ہیں:

اول: ان سے وہ کلام ثابت ہی نہیں۔ ثانی: اگر بالفرض ثابت بھی ہے تو اس کی کوئی تاویل تلاش کی جائے اور اگر ہم ظاہری طور پر اس کی تاویل سے واقف نہ بھی ہوں تو باطنی طور پر اس کی ضرور کوئی تاویل ہے جس کو عارفین جانتے ہیں۔ ثالث: یہ کلام ان سے حالتِ سکر اور غیبت میں سرزد ہوا جو کہ نا قابلِ مؤاخذہ ہے۔[التاج المکلل:۱۷۸]

(ج)......غیر مقلدین نے کہا:

ترجمہ: ہمارے اصحاب میں سے علامہ شوکانی بھی اس طرح کے بزرگ ہیں جنہوں نے بالآخر شیخ ابنِ عربی کی مذمت سے رجوع کر لیا تھا اور کہا تھا کہ میں نے ''فتوحاتِ مکیہ'' کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ''فصوص'' میں شیخ کے کلام کو صحیح معنی و محمل پر محمول کیا جا سکتا ہے۔[ہدیۃ المہدی:۱/۵۰]

شوکانی کا ''فتوحات'' کو غور سے دیکھ کر رجوع کرنا دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہ کتاب قابلِ اعتراض نہیں۔ نیز ''فتوحات'' کی اُس عبارت کو صحیح محمل پر محمول کرنا شوکانی کو اپنا پیشوا ماننے والے غیر مقلدین کے ذمہ لازم آتا ہے۔

(د)......غیر مقلدین کے ''امام العصر'' عبداللہ روپڑی صاحب ''توحید الٰہی'' کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن مجید میں ہے کل شیء هالك الا وجهه یعنی ہر شے ہلاکت والی ہے مگر خدا کی ذات۔ اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ ہر شے ہلاک ہو جائے گی، بلکہ ہالک کہا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت بھی ہلاکت والی ہے یعنی نیست اور فانی ہے، اس کی مثال اس طرح ہے جیسے رسی جلا دی جائے تو اس کے بٹ بدستور نظر آتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ رسی قائم ہے حالانکہ حقیقت میں رسی فنا ہو چکی ہوتی ہے''

[فتاویٰ اہلِ حدیث:۱/۱۵۲]

علی زئی صاحب کو ابنِ عربی پر اعتراض ہے کہ انہوں نے عبد کو ''مُردہ'' کہا ہے مگر اس طرف توجہ نہ کی کہ ان کے مقتدر عالم روپڑی صاحب نے تو ساری مخلوق کو راکھ شدہ رسی کی طرح مُردہ قرار دے کر اسے

قرآنی تعلیم باور کرایا اور اس کا نام ''توحید الٰہی'' رکھا ہے۔

(ھ)......غیر مقلدین کے ہاں ابنِ عربی تارکِ تقلید اہلِ حدیث ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر انہوں نے انہیں ''خاتم الولاية المحمديه'' کا لقب دیا ہے۔

[الحیات بعد الممات: ۱۲۳، تراجم علمائے حدیث ہند: ۱۴۶، خاتمۃ الاختلاف: ۲۷]

اس لیے ان کی عبارت کا جواب دینا خود غیر مقلدین پر لازم ہے۔

۳۷۳

پہلے ابنِ عربی کے عقائد کو ''خطرناک'' ثابت تو کریں پھر اگلی بات۔ آپ کا پسندیدہ جملہ ہے کہ ''پہلے تخت بناؤ پھر نقش نگاری کرنا''۔

اس عبارت پر اعتراض کا جواب غیر مقلدین کے مسلّمات کی روشنی میں اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اگر علی زئی صاحب وغیرہ زبردستی ابنِ عربی کے عقائد کو خطرناک قرار دینے پر ہی تلے ہوئے ہیں تو عرض ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک ابنِ عربی ولی اللہ اور تارکِ تقلید اہلِ حدیث ہیں تو یہ مزعومہ خطرناک عقائد غیر مقلدین کو مبارک ہوں اور ان کا دفاع بھی انہی کے ذمہ ہوا۔

۳۷٤

قاضی صاحب کے ساتھ علی زئی صاحب نے اگرچہ ''الحنفی'' لاحقہ لگایا ہے مگر وہ اپنی تحریروں میں بار بار کہہ چکے ہیں کہ کسی کے ساتھ حنفی و شافعی کا لاحقہ اس کے مقلد ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ نسبتیں استادی و شاگردی کی وجہ سے ہو سکتی ہیں وغیرہ۔ دیکھیے [دین میں تقلید کا مسئلہ] وغیرہ۔

اس لیے بتایا جائے کہ قاضی صاحب حنفی مقلد ہیں یا نہیں؟ علی زئی صاحب کی طرف سے ''الحنفی'' کے بعد ''رحمہ اللہ'' کی دعا سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ ان کے نزدیک مقلد نہیں کیونکہ عموماً وہ ''رحمہ اللہ'' کی دعا اپنے ہم عقیدہ شخص کو دیا کرتے ہیں۔

باقی رہا قاضی صاحب کی طرف سے ابنِ عربی کی مذمت، تو اس کا جواب اوپر حاشیہ: ۲: ۳۷ میں غیر مقلدین کی زبانی تحریر ہو چکا ہے کہ مخالفین نے انہیں بدنام کرنے کے لیے ان کی کتابوں میں تحریفات کر دی تھیں۔

اگر ان محرف عبارتوں کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان کی مذمت کی ہو تو ابنِ عربی اس کے ذمہ دار نہیں۔

حاشیہ: ۲: ۳۷ میں نواب صدیق حسن خان غیر مقلد کی کتاب ''التاج المکلل'' کے حوالے سے نقل

ہو چکا ہے کہ ابنِ عربی کے کلام میں ہر قابلِ اعتراض بات کی تین وجوہات ہیں جن کی وجہ سے ہر اعتراض فضول ہے۔

اگر اوپر والے مذکورہ جواب کو علی زئی صاحب وغیرہ تسلیم نہ کریں تو زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوگا کہ بعض علماء نے ابنِ عربی کی مذمت فرمائی ہے تو عرض ہے کہ جتنی مذمت علماء نے غیر مقلدین کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری کی ہے وہ میری معلومات کے مطابق اس مذمت سے زیادہ ہے جو ابنِ عربی کی گئی ہے۔ غیر مقلدین کے قریبا سو علماء نے ان کی مذمت کی، انہیں اکفر الکافرین تک کہا گیا ہے۔

[رسائل اہل حدیث]

علی زئی صاحب ان علماء کے فتووں کی وجہ سے اپنے شیخ الشیخ امرتسری صاحب کو کافر کیوں نہیں قرار دیتے؟ جب کہ ایک نمایاں فرق بھی ہے کہ ابنِ عربی کی مذمت کرنے والے عموماً ان کے مخالفین ہیں اور امرتسری صاحب پر فتویٰ بازی کرنے والے ان کے اپنے غیر مقلدین ہی ہیں۔

اسی طرح دوسرے بہت سے علمائے غیر مقلدین مثلاً عبداللہ روپڑی اور غرباء اہلحدیث کے قائدین پر خود غیر مقلدین کی طرف سے گمراہی اور تکفیر کے فتوے کتابوں میں موجود ہیں رسائل اہلِ حدیث وغیرہ کتابیں دیکھ سکتے ہیں۔ ان فتووں کو چُھپایا جاتا ہے اور ابنِ عربی کے خلاف دیئے گئے فتاویٰ کی تشہیر کی جاتی ہے، ایسا کیوں؟

۳۷۵

قاضی صاحب کی عبارت کا جواب اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ یہاں صرف دو باتیں عرض کرتا ہوں:

(الف)......قاضی صاحب نے اپنے زعم میں ابنِ عربی کو ''اتحادی'' قرار دے کر مذمت کی ہے جب کہ خود غیر مقلدین نے انہیں ''علمائے ابرار'' میں شامل مان کر اور ''ولی اللہ، خاتم الولایة المحمدیه'' کہہ کر ان کے اتحادی ہونے کی نفی کر دی ہے، بلکہ بعض نے تو صراحۃً اس کی نفی کا اعلان کیا ہے مثلاً امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان صاحب ابنِ عربی کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فصوص الحکم میں جو بعض الفاظ عین اور اتحاد وغیرہ ان کے قلم سے نکلے ہیں...ان کا یہ مطلب نہیں جو اس زمانے کے ملحدین جاہل درویش پکارتے پھرتے ہیں کہ خدا اور بندہ ایک ہے۔''

[تیسیر الباری:۳۲۶/۴ تاج کمپنی]

(ب)......قاضی صاحب نے جسے جہنم کے طبقہ اسفل سافلین میں پہنچایا ہے وہ بزرگ غیر مقلدین کے نزدیک ''خاتم الولایة المحمدیه اور اہلحدیث'' ہے۔

یہاں کوئی سوال کر سکتا ہے کہ جب غیر مقلدین کے ''خاتم الولاية المحمديه'' جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے باقیوں کا کیا بنے گا؟

۳۷۶

ذہبی صاحب نے جو کچھ فرمایا، اس کا جواب اوپر حاشیہ ۲/۳۷۲ میں پڑھ لیں۔ ذہبی صاحب نے ''فصوص الحکم'' کا حوالہ دیا ہے اور حاشیہ: ۲/۳۶۹ میں غیر مقلدین کی زبانی نقل ہو چکا ہے کہ ان کی یہ کتاب منسوخ ہے۔ نیز ذہبی صاحب نے ابن عربی کی طرف منسوب قابلِ اعتراض باتوں کا جواب دیتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ:

''لعل ذلك وقع منه حال سكره وغيبته فيرجى له الخير، شاید کہ یہ ان سے حالتِ سکر اور غیبت میں واقع ہوا ہے، لہٰذا ان کے لیے خیر کی اُمید کی جاتی ہے۔'' [الوافی بالوفیات: ۳/۱۵۸]

یہ بھی معلوم رہے کہ ذہبی صاحب ابنِ عربی کے حمایتوں کو خراجِ تحسین بھی پیش کرتے ہیں مثلاً امام نصر بن سلمان منبجی رحمہ اللہ کے بارے میں انہوں نے لکھا:

''و كان يتغالى فى ابن العربى، یعنی وہ ابن عربی سے غلّو کی حد تک محبت رکھتے تھے۔''

[سير اعلام النبلاء: ۲۴/۴۳۸]

اس کے باوجود ذہبی صاحب نے منبجی رحمہ اللہ کو درج ذیل القاب سے نوازا:

'' الشيخ، الإمام، القدوه، المقرى، المحدث، الزاهد، العابد، القانت، الربانى، بقية السلف.'' [حوالہ مذکورہ بحوالہ المهند الديو بندى: ۴۷]

۳۷۷

اوپر حاشیہ: ۲/۳۷۲ میں جواب مذکور ہو چکا ہے۔ یہاں ایک بات اور عرض کرتا ہوں کہ بڑے بڑے محدثین اور علمائے کرام نے ابن عربی کی مدح فرمائی ہے۔

چنانچہ غیر مقلدین کے رسالہ ''الاعتصام'' میں ابن عربی کے بارے میں لکھا ہے:

''اس کے حامی اسے اولیاء اللہ اور تنقید سے بالاتر لوگوں میں شمار کرتے ہیں مخالفین میں بھی بڑے بڑے محدثین اور اہلِ علم شامل ہیں اور موافقین میں بھی۔'' [الاعتصام: اشاعتِ خاص، بیاد بھوجیانی: ۳۱۴]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابنِ عربی کی موافقت کرنے والے، انہیں ولی اللہ سمجھنے والے اور ان کو تنقید سے بالاتر قرار دینے والے بھی بڑے بڑے محدثین اور اہلِ علم ہیں۔

علی زئی صاحب ان محدثین اور علماء کا نام کیوں نہیں لیتے؟

جو بڑے بڑے محدثین اور اہلِ علم ابن عربی کے مداح ہیں ان میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

امام نصر بن سلمان منبج، امام احمد بن ایبک المعروف بہ ابن الدمیاطی، امام صلاح الدین محمد بن شاکر دمشقی، امام صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی، امام عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام دمشقی، امام مجدد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی صاحب، امام عبداللہ بن اسعد یافعی، امام کمال الدین الزملکانی، امام تقی الدین محمد بن احمد الفاسی المکی، امام جلال الدین سیوطی، قاضی ابنِ عجلون، امام زکریا بن محمد انصاری، امام عبدالوہاب شعرانی، امام عبدالحی ابن العماد حنبلی رحمہم اللہ وغیرھم۔

حوالہ جات دیکھنے کے لیے حافظ ظہور احمد الحسینی حفظہ اللہ کی کتاب ''علمائے دیوبند پر زبیر علی زئی کے الزامات کے جوابات'' کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۷۸

الحدیث کا یہ شمارہ میرے پاس نہیں۔ ویسے ابنِ عربی وغیرہ کے مخالفین بلقینی ہوں یا دوسرے احباب، سب کا جواب اوپر حاشیہ: ۳۷۲ روغیرہ میں درج ہو چکا ہے۔

نیز امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان صاحب ابن عربی کے مخالفین کے بارے میں لکھتے ہیں:

''إنهم لم يفهموا مراد الشيخ ولم يمعنوا النظر فيه، یہ لوگ شیخ کا مطلب نہیں سمجھ سکے، ان کی مراد سمجھنے میں انہوں نے غور نہیں کیا۔ [ہدیۃ المہدی: ۱/۵۱]

تنبیہ: بندہ کے پاس فصوص الحکم، الفتوحات المکیۃ، شرح عقیدہ طحاویہ، المغنی اور الرد علی القائلین بوحدۃ الوجد کتابیں نہیں ہیں اس لیے حوالوں کی جانچ پڑتال نہیں ہو سکی۔ اوپر جو جوابات عرض کیے گئے وہ بشرط ثبوت کے طور پر ہیں۔ (جاری۔۔۔)

انجم نیازی

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

انجم نیازی صاحب کی تازہ کتاب ''سیدنا عمرو بن العاصؓ'' سے انتخاب

مصر میں زندہ ہے تیرے نام کی خوشبو ابھی
نیل کے دونوں کناروں پر کھڑا ہے تو ابھی
تیرے قدموں کی ابھی تک ہے دھمک چاروں طرف
گونج باقی ہے تری آواز کی ہر سُو ابھی
تیری عظمت کا ابھی روشن ہے اک اک زاویہ
پُر کشش ہے تیری شخصیت کا ہر پہلو ابھی
لرزہ بر اندام رہتے تھے جو تیرے نام سے
خوف سینوں میں لیے پھرتے ہیں وہ بدخو ابھی
تیرے دم سے جو ہوئے تھے آشنا اسلام سے
مصر و افریقہ کے وہ باسی ہیں قبلہ رو ابھی
ذہن سے نکلا نہیں تیری شجاعت کا جلال
کانپتے ہیں کفر کے بے نام کاخ وکُو ابھی
ڈھونڈتے ہیں خامیاں تیرے حسیں کردار میں
کتنے ہی مکّار، حیلہ ساز، حیلہ جُو ابھی
کتنی صدیاں ہی گزر جانے کے انجم باوجود
دِل دھڑکنے اور تڑپنے میں ہیں بے قابو ابھی